مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

# طلوع اسلام

ماہنامہ ـــــــ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

## فہرست مشمولات


| | | |
|---|---|---|
| لمعات (اللہ اور رسولؐ کی اطاعت) | ادارہ طلوع اسلام | 3 |
| ختم نبوت اور پرویزؒ | ادارہ | 17 |
| ایک ضروری وضاحت | نمائندہ بزم کویت | 19 |
| وادی نمل کی ہشیار ملکہ | علامہ رحمت اللہ طارق (ملتان) | 21 |
| وحی کی قسمیں اور اللہ کا تصور | آصف جلیل (سعودی عرب) | 31 |
| اسریٰ (معراج) | مرزا ظہورالحق (راولپنڈی) | 35 |
| حفاظت جان و مال | احمد حسین قیصرانی (تونسہ شریف) | 43 |
| چوری (بچوں کا صفحہ) | شائستہ اشرف (سرگودھا) | 47 |
| Iqbal The Poet' The Politician | Shamim Anwar | 63 |


انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری -- ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری -- مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر --
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں 62
طابع: خالد منصور نسیم -- مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49 — شمارہ 9 ستمبر 1996ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے — اندرون ملک سالانہ 120 روپے — ایشیا، افریقہ، یورپ 550 روپے — آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 750 روپے

# طلوع اسلام کنونشن 1996ء

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن اپنے روائتی وقار اور سنجیدگی کے ساتھ 25 گلبرگ 2' لاہور میں مورخہ 18 اکتوبر 1996ء بروز جمعہ المبارک منعقد ہوگی۔

## مجوزہ پروگرام

### پہلا کھلا اجلاس

صبح ساڑھے نو بجے۔ دعوت عام ہے۔

موضوع : پاکستان کے موجودہ مسائل

اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور روز مرہ مسائل کی نشاندہی آپ کیجئے۔ آپ کے سوالات کا جواب (پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر) قرآن کریم کی روشنی میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔

### دوسرا کھلا اجلاس

3 بجے بعد دوپہر۔ سکول اور کالج کے طلباء اور طالبات کے لئے۔ مقابلہ حسن تدبر

موضوع : اپنی زندگیاں اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی راہ میں ہماری دشواریاں۔
اپنی زندگیاں اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی راہ میں حائل دشواریوں کی نشاندہی طلباء و طالبات کریں گے۔ جوابات (پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر) قرآن کی روشنی میں طلوع اسلام کی طرف سے دیئے جائیں گے۔

ملی نوعیت کے بہترین سوالات پر کالج اور سکول کے طلباء و طالبات کو ایک ایک ہزار روپے کے دس انعامات اور مقابلے میں حصہ لینے والے سب طلباء کو شمولیت کے سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے۔ انعام کے حقدار طلبا کا اجلاس میں موجود ہونا لازمی ہوگا۔

سوالات' ہر دو اجلاس کے لئے ادارہ طلوع اسلام 25 بی گلبرگ 2 لاہور کے ایڈریس پر 30 ستمبر تک پہنچ جانے چاہئیں۔

بزمہائے طلوع اسلام کو پروگرام الگ سے ارسال کر دیا گیا ہے۔

**چیئرمین ادارہ طلوع اسلام**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# لمعات

## اللہ اور رسولؐ کی اطاعت

معتقدات' انسان کی گراں بہا متاعِ عزیز ہوتے ہیں اور جب وہ ایک مرتبہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائیں تو اُن کا استیصال بہت مشکل ہوجاتا ہے' خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ جب انسان انہیں اعماقِ قلب سے جدا ہوتے دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا لٹ رہی ہے' میری عاقبت خراب ہورہی ہے۔حالانکہ ہوسکتا ہے کہ وہی رفقائے محترم جنہیں اس نے دل کے نازک ترین گوشوں میں جانِ مدّعا بنا کر بڑی محبت اور تپاک سے چھپا رکھا ہے' بجائے خویش غارتگرِ ایمان و دیں اور رہزنِ علم و بصیرت ہوں۔ پھر چونکہ انسان اپنے معتقدات کو بالعموم وراثت میں پاتا ہے اس لئے ان کا تقدس کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ ان پر کسی قسم کی تنقیدی نگاہ ڈالنا اپنے آباؤ اجداد کی شان میں سُوءِ ادبی سمجھتا ہےاور بزرگوں کی اس لا ہُوتی امانت کو اپنی خوش عقیدگی کے حسین غلاف میں لپیٹ کر آگے منتقل کردیتا ہے۔ یونہی غلاف پر غلاف چڑھتا چلا جاتا ہے اور اس امانت کی عظمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کوئی شخص اپنے اندر اتنی جرأت نہیں پاتا کہ ان غلافوں کو اُتار کر اپنی آنکھوں سے تو دیکھ لے کہ ان کے اندر کیا ہے' حتّٰی کہ اگر کوئی اس "متاعِ ملفُوف" کے متعلق اتنا ہی کہہ دے کہ کسی کے سامنے نہ سہی' تنہائی میں کبھی اطمینان تو کرلو کہ یہ ہے کیا ؟ تو اس بات کا تصور اس کی روح میں کپکپی پیدا کردیتا ہے' لرزشِ قلب سے اُس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوتا ہے' اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگ جاتے ہیں' وہ ڈرتا ہے' کانپتا ہے' اور اس وسوسۂ شیطانی پر اپنے بزرگوں کی روحوں سے معافی مانگتا ہے' ان کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور اس گناہ کے کفّارہ کے طور پر اس مقدّس امانت پر عقیدت کا ایک اور غلاف چڑھا دیتا ہے۔ جب کوئی پوچھنے والا اس کے اس طرزِ عمل کی صحت

کی دلیل طلب کرتا ہے' تو اس کے جواب میں وہ صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ **اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ** 43/22 ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک روش پر چلتے دیکھا اور انہی کے نقوشِ قدم پر خود چلتے جارہے ہیں یہ کہہ کر وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنے برسرِحق ہونے کی ایک مسکت دلیل پیش کردی ہے۔ حالانکہ یہ ایک فریب ہوتا ہے جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم اس روشِ زندگی کو اندھی تقلید کہتا ہے' کھلی ہوئی گمراہی قرار دیتا ہے **اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ** کہہ کر انسانیت سے گری ہوئی یعنی حیوانیت کی ذہنیت بتاتا ہے' بلکہ **بَلْ هُمْ اَضَلُّ** کے اضافہ سے ایسے انسانوں کو حیوانوں سے بھی زیادہ راہ گم کردہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی راہ ہے' جو سہولت پسند ہوجاتے ہیں' آرام طلب بن جاتے ہیں۔ (مترفین 43/23) اس لئے کہ جس راہ پر آباؤ اجداد کو چلتے دیکھا' اس پر آنکھ بند کرکے چلتے جانا نہایت تن آسانی کا راستہ ہوتا ہے۔ راہِ تحقیق تو بڑی جاں گدازی اور جگر کاوی کی راہ ہوتی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم اس کورانہ تقلید کے برعکس حق و اعتدال کی راہ کچھ اور بتاتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بصیرت سے کام لے' دیدۂ اعتبار اور گوشِ ہوش کو وا کرے اور اُن کی مدد سے قرآنِ کریم کی روشنی میں صحیح اور غلط' حق اور باطل' کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرتا جائے اور یوں قلبِ سلیم کو ایمانِ خالص اور معتقداتِ صحیحہ کا محفوظ خزانہ بنائے۔ یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جس کے متعلق قرآنِ کریم میں بلسانِ نبوت ارشاد ہے۔ **اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ** 12/108 (میں اور میری اتباع کرنے والے اللہ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتے ہیں)

ان دونوں راستوں کو سامنے رکھیئے اور پھر کبھی رات کی تنہائیوں میں' نیند سے کچھ وقت پہلے' محض خالصتاً" اللہ کے لئے سوچئے کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کون سی راہ ہے ؟ غالباً" آپ یہی کہیں گے کہ ہمیں تو ہمارے دل نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ جس راہ پر تم جارہے ہو' وہی حق و عدل کا صراطِ مستقیم ہے۔ لیکن میں گزارش کروں گا کہ اگر اس کے بعد آپ نے کبھی اپنے دل سے اس قسم کے سوال کرنے کی ضرورت محسوس کی تو ان امور کو پیشِ نظر رکھ کر سوال کیجئے جو آئندہ سطور میں آپ کو ملیں گے۔ **وَفِيْهَآ اٰيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ**

———○ ○ ○———

آپ تاریخِ اسلام کے اوراق کو قریب چودہ سو برس پیچھے اُلٹئے' اور دیکھئے کہ وہاں آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ آپ کو ایک اور صرف ایک چیز نظر آئے گی اور وہ یہ کہ نبیٔ اکرمؐ نے ایک دین پیش کیا جو خدائے واحد کی طرف سے دینِ واحد تھا' جس میں کوئی تضاد نہ تھا' تباین نہ تھا' تخالف نہ تھا' اور اس دین پر عامل ایک جماعت تیار کی جو اُمّتِ واحدہ تھی' باہم متحد تھی' اس میں کہیں شکست نہ

تھا۔ انتشار نہ تھا، تشیع نہ تھا، تحزب نہ تھا۔ ایک گروہ تھا، کوئی دوسرا گروہ نہ تھا۔ ایک فرقہ تھا، کوئی دوسرا فرقہ نہ تھا۔ ایک مسلک تھا، کوئی دوسرا مسلک نہ تھا، ایک راستہ تھا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ ہر ایک کا قدم ایک منزل کی طرف اٹھتا تھا، اور ہر ایک کا رخ قبلۂ مقصود کی طرف رہتا تھا۔ آپ اس منظر کو بنظرِ غائر دیکھئے مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ اللہ کے اس دینِ فطرت میں کہیں کوئی شکن نظر نہیں آئے گی۔ پھر دیکھئے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ کیا کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے ؟ نہیں ! بار بار دیکھئے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝ (67:3-4) نگاہ تھک کر آشیانۂ چشم میں واپس آجائے گی لیکن اس وحدتِ دین اور وحدتِ ملت میں تفریق و اختلاف کا کوئی شائبہ نہیں پائے گی۔ یہ وحدت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں، حتیٰ کہ غیر مسلموں تک کو انکار نہیں۔ آپ کسی شیعہ سے پوچھئے یا سُنّی سے، مقلد سے پوچھئے یا غیر مقلد سے، حنفی سے پوچھئے یا شافعی سے، ان سب کا ایک اور صرف ایک جواب ہوگا کہ جب نبیؐ اکرمؐ تشریف لے گئے ہیں تو مسلمان ایک فرقہ تھے، ان کا ایک دین تھا۔ نہ اصول میں کوئی دوسری راہ تھی، نہ فروع میں کوئی دوسرا مسلک تھا۔ نبیؐ اکرمؐ نے ایک ایسی جماعت چھوڑی اور اس جماعت سے تاکیداً کہہ دیا۔ بار ہا کہدیا کہ دیکھنا اس وحدت کو شرک میں نہ بدل دینا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝
(30:31-32)

دیکھنا ! کہیں مشرکین میں سے نہ ہوجانا یعنی ان لوگوں میں سے جو (وحدتِ) دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں، اور خود (جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے) فرقہ بن جاتے ہیں۔ پھر ہر ایک فرقہ اپنے اپنے معتقدات (کو صحیح سمجھ کر) مطمئن بیٹھا رہتا ہے۔

——○ ○ ○——

اب جتنے ورق آپ نے الٹے تھے اتنے ہی آگے بڑھ آیئے۔ اور اپنے موجودہ دور میں پہنچ جایئے۔ پھر نگاہ ڈالیئے اور ڈھونڈیئے، تلاش کیجئے اس وحدتِ دین کو، اس وحدتِ ملت کو، اس ایک مسلک کو اور اس مسلک پر چلنے والی جماعت کو کہ کہیں اس کا نشان بھی ملتا ہے۔ چھوڑئے اس حدیثِ الم کو کہ اس تیرہ سو برس میں یہ کیسے ہوگیا، لیکن دیکھئے صرف اس کو کہ یہ کیا ہوگیا ؟ کیا دین اپنی موجودہ شکل میں وہی دین ہے، جو نبیؐ اکرمؐ نے چھوڑا تھا ؟ کیا ملتِ اسلامیہ اپنی موجودہ صورت میں وہی ملت ہے جس کی تشکیل حضورؐ نے فرمائی تھی ؟ کیا وہ قوم جس کو وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (دیکھنا مشرکین میں سے نہ ہو جانا) کی تنبیہہ کی گئی ہے، اس کی یہی ہیئت ہونی چاہئے تھی ! کہاں ہے وہ دین جس کو نبیؐ اکرمؐ نے هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا قرار دے کر فَاتَّبِعُوْهُ کا حکم دیا تھا (یعنی یہ ہے میرا

سیدھا راستہ' بس اسی ایک راستہ کی اتباع کرنا اور **وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ** 6/154 کے انتباہ سے یہ بتادیا کہ اگر بہت سے راستے اختیار کرلوگے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔

ایک چیز تو واضح ہے کہ اُس وقت جب دین ایک تھا' راستہ ایک تھا' جماعت ایک تھی' مگر آج کہنے کو بہتر(72) لیکن حقیقت کے اعتبار سے بہتر سو راستے ہیں۔ ان بہتر سو راستوں میں سے ہر ایک راستہ تو سیدھا راستہ نہیں ہوسکتا۔

آپ کا دل شاید آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کرادے کہ جس راستے پر میں ہوں یہ وہ راستہ ہے جو نبیؐ اکرمؐ نے بتایا تھا اور اس کے علاوہ باقی راستے وہ ہیں جو بعد کی پیداوار ہیں۔ ہاں ! یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے لیجئے لیکن اس کا کیا علاج کہ عین اسی وقت آپ کے کمرہ سے ملحق دوسرے کمرہ میں آپ کے مسلک سے جداگانہ مسلک کا حامل' ایک دوسرا مسلمان (مثلاً" آپ مقلّد ہیں تو غیر مقلّد) یہی کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے رہا ہے کہ جس راستہ پر میں ہوں' وُہی راستہ حق و اعتدال کا ہے۔ دوسروں کی راہ نجات و سعادت کی راہ نہیں ہے۔ آپ کہہ دیں گے کہ وہ غلط کہتا ہے۔ وہ کہہ دے گا کہ آپ غلط کہتے ہیں اور کہہ دے گا کیا ہر روز یہی ہوتا ہے اور یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے کہ **كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ**(30:32) ہر فرقہ اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پرسمجھ کر مگن ہو رہتا ہے۔

تو کیا اس کو مان لیا جائے کہ آپ بھی صحیح کہتے ہیں اور وہ بھی صحیح کہتا ہے ؟ اور اس طرح اُن سینکڑوں مختلف سمتوں کی طرف جانے والے راستے صراطِ مستقیم ہیں۔ اس کو تو نہ آپ تسلیم کریں گے نہ کوئی اور۔

اس سوال کو ذرا اور آگے بڑھایئے اور مسئلہ کو من حیثُ الاسلام دیکھئے۔ یعنی دنیا کے کروڑوں مسلمان ایک مذہب سے مُتمسّک ہیں جسے الاسلام کہتے ہیں۔ اس مذہب کی حالت یہ ہے کہ اس کے اندر سینکڑوں فرقے موجود ہیں۔ کیا یہ مذہب وہی ہوسکتا ہے' جو نبیؐ اکرمؐ نے اُمّت کو دیا تھا کہ جس کے اندر کہیں اختلاف نہ تھا' کوئی فرقہ نہ تھا۔

یعنی ایسا مذہب جس میں کوئی اختلاف نہ ہو' بلکہ فرقہ سازی شرک ہو' وہ بھی اسلام اور ایسا مذہب جس میں سینکڑوں فرقے اور ہزاروں اختلافات ہوں' وہ بھی اسلام۔

فرقوں کی اس تعداد کے خلفشار کا شاید آپ صحیح اندازہ نہ لگا سکیں۔ اس کے متعلّق کسی نو مسلم سے پوچھئے۔ ایک شخص مثلاً" ہندو ہے۔ وہ کفر پر ہے۔ اس راستہ پر ہے جو جہنّم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اُسے آپ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ مسلمان ہوجاتا ہے۔ لامحالہ وہ مسلمانوں کے اُس

فرقہ میں داخل ہوگا جو آپ کا فرقہ ہے۔لیکن یہاں پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرے فرقہ کا مسلمان اسے کہتا ہے کہ ناجی فرقہ تو ہمارا ہے، یہ تم کہاں آپھنسے ؟ یہیں تک نہیں' بلکہ وہ اس فرقہ کے خلاف تکفیر کے فتاویٰ بھی دکھا دیتا ہے۔ وہ نو مسلم حیران ہے کہ کفر کو چھوڑ کر اسلام لایا۔ جہنم سے بچنے کے لئے آباؤ اجداد کا مسلک چھوڑا لیکن بایں ہمہ وہ کفر کا لیبل اب بھی میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہنم سے نجات بھی نہیں ملے گی۔ وہ دوسرے فرقہ میں جاتا ہے تو یہی کچھ آپ کہنے لگتے ہیں۔

کہئے ! وہ کیا کرے اور کہاں جائے ؟

———○ ○ ○———

آپ کہیں گے کہ اسلام تو نام ہے اطاعتِ اللہ اور رسولؐ کا لہٰذا جب میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کر رہا ہوں تو صحیح مذہب پر ہوں لیکن اس کا کیا علاج کہ آپ کے کمرے سے ملحقہ کمرے والا مسلمان جو دوسرے فرقہ سے متعلق ہے' بعینہٖ یہی کچھ کر رہا ہے اور کون سا فرقہ ایسا ہے کہ "اللہ و رسولؐ کی اطاعت" اس کا دعویٰ نہیں۔

آپ کہہ دیں گے کہ اس کا فیصلہ کچھ زیادہ مشکل نہیں' اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا معیار معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس کتاب اللہ اور احادیثِ مقدّسہ موجود ہیں' ان پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے گا کہ کس کا دعویٰ صحیح ہے۔ لیکن آپ کے مدِّمقابل فریقِ ثانی کا بھی تو یہی دعویٰ ہے ! اگر اس مٹھی بھر جماعت کو چھوڑ دیا جائے جسے منکرینِ حدیث یا چکڑالوی کہا جاتا ہے تو باقی سب مسلمان تو یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ اطاعت اللہ اور رسولؐ کے دعوے کو کتاب و سُنّت پر پرکھ کر دیکھ لو۔ لیکن ان دعاوی کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اختلافات کو چھوڑیئے، آپ صدیوں سے اس معمولی سے اختلاف کا بھی فیصلہ نہیں کرسکے کہ نماز میں آمین بلند کہنی چاہئے یا آہستہ۔حالانکہ فریقین کے علماء کے سامنے قرآنِ کریم بھی ہوتا ہے اور احادیثِ مقدّسہ بھی اور اگر اس کے ساتھ اِجماع کے معیارات کو بھی شامل کرنا چاہیں تو دونوں' مختلف تاویلات سے' اس امر کے بھی مدعی ہوتے ہیں کہ اجماع ان کے ساتھ ہے۔

جب حالت یہ ہے تو پوچھئے اپنے دل سے کہ اس کا فیصلہ کس طرح سے کیا جائے کہ کون سا مسلک "اطاعت اللہ و رسولؐ" کے مطابق ہے ؟ یہاں پہنچ کر ایک مرتبہ پھر یہ سمجھ لیجئے کہ آپ یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان نہ دے لیں کہ جس مسلک سے آپ متمسّک ہیں' وہی مسلک درست ہے اور اس لئے درست ہے کہ آپ کو آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے۔ کیا وہی بصیرت جس پر قرآنِ کریم نے دعوت الی اللہ کی بنیاد رکھی تھی' اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ علم و اِیقان کے ساتھ

مطمئن ہوجائیں کہ وہ کون سی راہ تھی جو نبیؐ اکرمؐ اُمّت کو دے کر گئے تھے۔ اگر آپ اس قسم کے اطمینان کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر سلسلۂ سخن یوں آگے بڑھے گا کہ یہ معلوم کیسے ہو کہ وہ راہ کون سی تھی اور گاڑی کہاں سے اپنی صحیح پٹڑی چھوڑ کر دوسرے رُخ پر چل پڑی تھی۔

———○ ○ ○———

ایک چیز تو مسلمانوں میں آج بھی ایسی موجود ہے جس کے متفقہ علیہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں اور وہ ہے قرآنِ کریم۔ ہر مسلمان اس کا قائل ہے۔ غیر مسلم قائل ہیں۔ خود اللہ اس کا شاہد ہے کہ قرآنِ کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبیؐ اکرمؐ کی وساطت سے اُمّت کو ملا تھا۔ اور یہ وہی قرآنِ کریم ہے جو "اطاعت اللہ و رسولؐ" کے دعوے کو پرکھنے کے لئے ہمارے مختلف فرقوں کے پاس موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے باوجود ہمارے اختلافات نہیں مٹتے تو معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کے ساتھ کسی اور چیز کا ہونا بھی ضروری ہے جس کی مدد سے اُمّت کو وہ راستہ مل سکتا ہے جو اُن کے لئے قرآنِ کریم متعین کرتا ہے اور جسے نبیؐ اکرمؐ قرآنِ کریم کے ساتھ چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے اور جو آج بھی موجود نہیں ہے اور جس کے فُقدان سے ہماری یہ حالت ہو رہی ہے۔

وہ چیز کیا تھی ؟ بس یہی گُم گشتہ کڑی ہے جس کے مل جانے سے یہ بکھری ہوئی زنجیر پھر سے حبل المتین بن جائے گی۔

یہ گُم گشتہ کڑی ہے وہ جماعت جسے نبی اکرمؐ مرتب فرما کر تشریف لے گئے تھے۔ جو کتاب اللہ کی وارث تھی جو قوانین الٰہیہ کو اس دنیا میں نافذ کرنے والی تھی۔ جو **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ**(3:110) کی مخاطب تھی۔ **امر بالمعروف و نہی عن المنکر**(9:71) جس کا فریضہ تھا' جسے اُمّۃً وسطیٰ کا لقب دیا گیا تھا۔ جس کے تمکن فی الارض سے دین کا قیام تھا۔ یہ وہ جماعت تھی جو چلتی پھرتی قرآن تھی۔ جیتی جاگتی قرآن تھی۔ کتاب اللہ حروف و نقوش میں لکھی ہوئی تعلیم تھی' یہ جماعت اس تعلیم کی پیکرِ ناطق تھی۔ یہ عین مشیتِ ایزدی کے ماتحت خود رسالتمابؐ کے مقدّس ہاتھوں سے تیار ہوئی تھی اور تیار اس لئے کی گئی تھی کہ دنیا کو بتا دیا جائے کہ معراجِ انسانیت کا مظہرِ اتم کسے کہتے ہیں۔ بابِ نبوّت کو اس لئے بند کردیا گیا تھا کہ اللہ کا آخری پیغام اپنی مکمل اور محفوظ شکل میں دنیا کے پاس موجود تھا اور اس پیغام کی حامل ایک ایسی جماعت تھی جو ہر مشکل مقام پر اس نُورِ مُبین کی روشنی میں نوعِ انسانی کی راہ نمائی کرسکے۔ اس جماعت میں جو اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہوتا تھا وہ اکرم (سب سے زیادہ قابلِ عزت) ہونے کی حیثیت سے ان کا امیر ہوتا تھا۔ **اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**(42:38) (ان کے معاملات باہمی مشوروں سے طے پائیں گے) کے ماتحت اس جماعت کے منتخب افراد اس مرکز کے اعیان و ارکان ہوتے تھے اور اس نظام کے ماتحت یہ مرکز اس امر کا فیصلہ کرتا تھا کہ "اللہ و رسولؐ کی

اطاعت" کے کہتے ہیں۔ چونکہ مرکز ایک تھا، اس لئے اس کا فیصلہ بھی ایک ہوتا تھا۔ لہٰذا دین ایک تھا' اس دین کی حامل جماعت ایک تھی۔ جماعت کا مسلک ایک تھا۔

زیادہ وضاحت سے اسے یُوں سمجھئے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت جائز نہیں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ(6:57) حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شخص سے براہِ راست باتیں نہیں کرتا اس لئے یہ بتانے کے لئے کہ اللہ کی اطاعت کس طرح سے کی جاتی ہے اس نے رسولِ اکرمؐ کی وساطت سے اپنی کتاب نازل فرمادی۔ لہٰذا کتاب اللہ کی اطاعت عین اطاعتِ اللہ ہوگئی۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ جو تمہارے ربّ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا کسی کو کار ساز اطاعت نہ کرو۔ لیکن کتاب پھر ایک حد تک غیر محسوس راہِ ہدایت ہوتی ہے اس لئے اطاعتِ الٰہی کے مفہوم کو محسوس شکل میں پیش کرنے کے لئے رسولؐ کی وساطت سے کتاب بھیجی جاتی ہے' جو اپنے اعمالِ طیبہ سے دکھاتا ہے کہ اطاعتِ کتاب یعنی اطاعت اللہ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ لہٰذا رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوجاتی ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ 4/80 جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ رسول اللہؐ کے بعد کتاب تو موجود رہی لیکن کتاب کی تعلیم کو محسوس و مرئی شکل میں پیش کرنے والا کون تھا ؟ یہ تھے خلیفۃ الرسولؐ (رسولؐ کے جانشینؓ) اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اب خلیفۃ الرسول کی اطاعت میں منتقل ہوگئی۔ نبیٔ اکرمؐ کی تشریف براری کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے فیصلوں کی اطاعت' اللہ و رسولؐ کی اطاعت تھی اور ان سے انحراف اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے انحراف تھا۔ یہ تھا صحیح مفہوم "اطاعت اللہ و رسولؐ" کا کہ جس مفہوم کے بعد کسی تفرقہ اندازی' افتراق انگیزی کی گنجائش نہ تھی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں کے ایک قبیلہ نے زکوۃ کے مسلک میں مرکز کے مسلک سے اختلاف کیا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا۔ صحابہ کبارؓ نے اس فیصلہ کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی طرح کی۔ جب تک یہ شکل قائم رہی' اللہ اور رسولؐ کی صحیح اطاعت ہوتی رہی۔ دین کی وحدت قائم رہی' جماعت کی یک جہتی قائم رہی۔ لیکن یہ دورِ سعادت مہد جلد ختم ہوگیا۔ خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ حکومت نے اپنا فریضہ انتظامِ سلطنت سمجھ لیا حالانکہ سلطنت اُن کو ملی ہی اس لئے تھی کہ وہ قوانینِ الٰہیہ کا نفاذ کرتے رہیں اور یوں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا سلسلہ آگے بڑھاتے رہیں۔ شروع شروع میں تو اتنا ہوا کہ امورِ سلطنت کے متعلق معاملات حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھے لیکن امورِ دین کے متعلق معاملات افراد پر چھوڑدیئے۔ یہ وہ منحوس دن تھا جب سب سے پہلے اسلام میں دین اور دنیا (Church and State) کی تفریق شروع ہوئی۔ جب اجتماعیت کی جگہ یوں انفرادیت آگئی تو

اطاعت اللہ و رسولؐ کا مفہوم بھی بدل گیا۔ ایک نے کسی معاملہ کو جس طرح سمجھا اس نے اسی کو اطاعت اللہ و رسولؐ سمجھ لیا۔ کچھ لوگ اس کے ہم خیال ہوگئے کچھ اس کے خلاف۔ یوں فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی۔ جب تک سلطنت باقی تھی' امورِ دنیا کے متعلق ہی سہی' کچھ نہ کچھ اجتماعیت کی شکل باقی تھی۔ جب سلطنت مٹ گئی تو یہ رہی سہی اجتماعیت بھی ختم ہوگئی۔ اب ہر شے میں انفرادیت آگئی' اور یوں اللہ و رسولؐ کی اطاعت کا مفہوم مختلف دماغوں کے قالب میں ڈھل کر مختلف شکلیں اختیار کرگیا۔ مرکز ٹوٹا، جماعت منتشر ہوگئی۔ دین افراد کی آراء کے تابع چلنے لگا' اور کثرت تعبیر سے خواب پریشان تر ہوتا چلا گیا۔ جب تک مرکز قائم تھا اور صحیح شکل میں قائم تھا اس وقت تک وہی ایک ٹکسال تھی جہاں کے مضروب سکہ کا چلن بازار میں ہوتا تھا۔ وہ ٹکسال ٹوٹ گئی تو گھر گھر ٹکسال بن گئی اور ہر ٹکسال والوں کا یہ دعویٰ ہوگیا کہ ہمارا سکّہ اصلی ہے' دوسروں کا جعلی ہے۔ یہ کام مرکز کا تھا کہ وہ متعین کرے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت کی تفسیر کیا ہے' حدیث کون سی صحیح ہے اور کون سی ضعیف' فقہ کا فلاں مسئلہ کس وقت تک نافذالعمل رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورِ سعادت مہد میں نہ کوئی تفسیر لکھی گئی نہ احادیث کے مجموعے مرتّب ہوئے، نہ فقہ کی تدوین ہوئی۔جب مرکزیت ٹوٹ گئی یا اپنے فریضہ الٰہی سے غافل ہوگئی تو اُمّت پریشان تھی کہ اب کس طرح معلوم کرے کہ فلاں معاملہ میں ارشادِ الٰہی کا منشاء کیا ہے اور اس منشاءِ ایزدی پر عمل کس طرح سے ہوگا۔ اس ضرورت کے ماتحت انفرادی طور پر قرآنِ کریم کی تفاسیر لکھی گئیں۔ احادیث کے صحیح و ضعیف ہونے کے معیار تجویز ہوئے۔ فقہی مسائل کی ترویج و تنسیخ کے متعلق بحثیں چھڑ گئیں۔ اللہ نکردہ ہمارا مقصد اس سے یہ نہیں کہ ان حضرات نے فرقہ بندی کے خیال سے ایسا کیا' نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ جماعت کے انتشار اور مرکز کے فنا ہوجانے کے بعد جب انفرادیت آگئی تو اس انفرادیت کا فطری نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا۔ اس میں کسی کی نیت کا کوئی دخل نہ تھا۔ نیتیں کتنی ہی نیک ہوں، مقاصد کتنے ہی پاکیزہ ہوں، وحدتِ مرکز کے ٹوٹ جانے سے اطاعت اللہ رسولؐ کے یہ مختلف مفہوم پیدا ہوجانے ضروری تھے۔ کتاب اللہ موجود تھی، سیرت مقدسہؐ کے آثار و نظائر بھی موجود تھے، لیکن وہ جماعت اور جماعت کا وہ مرکز موجود نہ تھا جو کتاب و سُنّت کی روشنی میں فیصلہ کرتا تھا کہ فلاں معاملہ میں مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کس طرح ہوگی' فلاں اختلافی مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کون سا ہے۔ جب وہاں سے فیصلہ مل جاتا تو کسی شخص کو یہ حق نہ رہتا کہ وہ اپنے طور پر جس طرح جی چاہے "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت" کرے۔ حتیٰ کہ اس باب میں وہ اس قدر محتاط ہوتے تھے کہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالتے تھے جو اس مفہومِ اطاعت کے خلاف ہو جو مرکز نے متعین کیا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی عظمت سے کون واقف نہیں اور فقہی امور میں ان کے اجتہاد سے کسے انکار ہے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ چونکہ شہر میں مفتی ایک اور صاحب تھے جو سلطنت کی طرف سے متعیّن

تھے' اس لئے لوگ انفرادی طور پر بھی دریافت کرتے تو آپ کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ حتیٰ کہ ایک دن گھر میں بیٹھے تھے' لڑکی نے پوچھا کہ ابا جان میں روزہ سے ہوں اور دانتوں سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا ہے۔ روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ "بیٹا میں نہیں بتانا چاہتا' کیونکہ میں گورنر کی طرف سے فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ٹھیرایا گیا"۔ لیکن امام کے نہ رہنے سے جو حالت ہوگئی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے کہ آج کوئی بھی اپنے آپ کو امام اعظمؒ سے کم نہیں سمجھتا۔ اس مرکزِ ثقل کے نہ ہونے سے تمام ذرّے منتشر ہو رہے ہیں۔ اس شیرازہ کے ٹوٹ جانے سے کتابِ ملّتِ بیضا کے تمام اوراق بکھرے پڑے ہیں۔ قرآنِ کریم' احادیثِ مقدّسہ' فقہ' تفسیر' تاریخ کی تمام کتابیں موجود ہیں لیکن اُمّت کا ایک ادنیٰ سا اختلاف بھی نہیں مٹ سکتا۔ اس لئے کہ اگر صرف کتابوں سے راستے متعین ہوجایا کرتے تو کتابوں کے احکام کو نافذ کرنے والے رسولوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کتاب کے ساتھ رسولؐ بھیجنے کی ضرورت خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک کتاب نافذالعمل ہے اس وقت تک رسولؐ کے جانشین کی بھی ضرورت ہے' اور چونکہ قرآنِ کریم قیامت تک کے لئے نافذالعمل ہے' اس لئے قیامت تک کے لئے رسولؐ کے جانشین یعنی مرکزِ ملّت' امامِ قوم کی ضرورت ہے۔ کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ قرونِ اولیٰ میں "خلافتِ رسولؐ" کا جیتا جاگتا تصوّر اس درخشندگی اور تابناکی سے نگاہوں کے سامنے تھا کہ ہر چند مرکز کو گم ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن اس کے دھندلے نقوش ابھی تک دلوں میں باقی ہیں۔ نماز کا امام ابھی تک "جانشینِ رسولؐ" کہلاتا ہے۔ خطبہ کے منبر کو ابھی تک منبرِ رسولؐ کہتے ہیں۔ کل تک ترکوں کی ملوکیت اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی خلافت ہی کہلاتی تھی۔ لیکن چونکہ یہ صرف الفاظ تھے جو ایک مدّت سے اپنے اصلی معنی کھوچکے تھے' لاشیں تھیں جن سے ایک عرصہ ہوا رُوحیں پرواز کرچکی تھیں' اس لئے مضطرب قلوب کو ان میں کہیں سکون و طمانیت کے سامان نہیں ملتے تھے۔ اس صحیح نظام کے نگاہوں سے اوجھل ہوجانے سے مسلمانؐ اسلام کے مستقبل سے کس طرح مایوس ہونے شروع ہوگئے' اس کا اندازہ آپ کو بہائت اور مرزائیت کی تحریکوں سے لگ سکتا ہے۔ ایک نے یہ اعلان کردیا کہ قرآنِ کریم قیامت تک کے لئے نافذالعمل نہیں ہوسکتا کیونکہ اب وہ (**نعوذ باللہ**)ایک ایسا درخت ہوچکا ہے جو مزید پھل نہیں دے سکتا۔ دوسرے نے دعویٰ کردیا کہ نبوتِ محمّدیہؐ قیامت تک کے لئے جاری نہیں رہ سکتی کیونکہ اس سراجِ منیر کی روشنی **نعوذ باللہ** اب ایک اور قندیل کی محتاج ہوچکی ہے۔ آپ کبھی تصوّر میں بھی لاسکتے ہیں کہ اگر یہ آواز اس عہدِ سعادت میں جس میں صحیح اسلامی نظام قائم تھا' کہیں تحت الثریٰ کے نیچے سے بھی پیدا ہوتی تو کیا مسلمان اس کو برداشت کرلیتا ؟ اس لئے نہیں کہ ان کا "تعصّب" **نعوذ باللہ** انہیں اجازت نہ دیتا کہ وہ اسے سن لیں بلکہ اس لئے کہ وہ شجرِ طیّب جس کی جڑیں قلبِ زمین سے نم کش تھیں اور جس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی تھیں' جس کا مبارک بیج عالمِ ملکوت سے آیا تھا اور جو اُس

ذاتِ گرامیؐ کے مقدس ہاتھوں سے لگایا گیا تھا جو وجہِ شادابیٔ کائنات ہے اور جسے قدوسیوں کی اُس جماعت نے اپنے خون سے سینچا تھا جن کے گھوڑوں کی سُمّوں کی گرد کو خدائے بزرگ و برتر انسانیت کی چشمِ بصیرت کے لئے شہادتِ ایقانی کا نُورانی سرمہ قرار دیتا ہے۔ وہ مبارک درخت جو انہیں جھولیاں بھر بھر کر ترو تازہ پھل دیتا تھا۔ ایسے پھل کہ جن سے وہ قوت پیدا ہوئی تھی جس سے زمانے کی تقدیریں ان کے ہاتھ میں آگئی تھیں۔ وہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا تصوّر کر سکتے تھے اس مقدس درخت کبھی خشک بھی ہوسکتا ہے؟ آج مسلمان کے سامنے چونکہ وہ نظام موجود نہیں، جو [illegible] پیامِ قرآنی اور نبوّتِ محمدیؐ کس طرح ابدیت سے ہمکنار ہے، اس لئے وہ ان راہ گم کردہ [illegible] کو علمی مناظروں اور نظری مباحثوں سے قائل کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح ان سے [illegible] اختلافات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ ان کو بھی چھوڑیئے، آج [illegible] بھولی پھیلائے نظر آتے ہیں، کبھی اُس سنگِ آستاں پر جبۂ [illegible] کا راز مضمر سمجھتے ہیں، کل دوسرے کی۔ یہ سب [illegible] اسلام کے مستقبل سے معاذاللہ مایوس ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو وہی کچھ سمجھے ہوئے ہیں، جیسا کچھ وہ انہیں اس دورِ تشتت و افتراق میں دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے اسلام کا صحیح نظامِ اجتماعیت اور مرکزیت اُجاگر ہوجائے تو پھر دیکھئے کہ یہ مایوسیاں کس طرح اُمیدوں میں بدل جاتی ہیں اور تذبذب کس طرح ایمانِ محکم کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ نظام اس درجہ نگاہوں سے اوجھل ہوچکا ہے کہ سرسری نگاہ سے سمجھ میں آہی نہیں سکتا۔ پھر اگرکوئی سمجھاتا ہے تو "مترفین" کا گروہ اس کی مخالفت شروع کردیتا ہے۔ کوئی سمجھتا بھی ہے، تو چونکہ اس کو فوراً عمل میں لانے کے لئے راستے میں یہ مشکلات دیکھتا ہے، اس لئے اس کی تن آسانیاں اسے پھر آرام طلبی کے راستے کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔ غرضیکہ مسلمان ایک ایسے گرداب میں کھڑا ہوا ہے کہ ہزار ہاتھ پاؤں مارے، وہاں سے باہر نکل نہیں سکتا۔ ان مصائب سے نجات کا صرف ایک راستہ ہے کہ بلا خوف لامتہ لائم قرآنِ کریم کے اس اسلامی نظام کو، اطاعت اللہ اور رسول کے اس صحیح مفہوم کو مسلمانوں کے سامنے بے نقاب کردیا جائے۔ پھر اس شدّت اور تکرار سے اسے بار بار سامنے لایا جائے کہ اس کی کہربائی شعاعوں سے انفرادیت کے سرطانی جراثیم فنا ہوجائیں اور جن حضرات کے سامنے یہ تصوّر اپنی صحیح شکل میں آجائے، وہ اس کے عملی قیام میں تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جائیں، پھر دیکھیں کہ اللہ کی نصرت کس طرح ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہ نظام قائم ہوجائے تو پھر دیکھئے کہ کس طرح یہ بات بہائیوں اور مرزائیوں کی سمجھ میں خود بخود آجاتی ہے کہ واقعی پیامِ خداوندی اور نبوّتِ محمدیؐ قیامت تک کے لئے زندہ ہیں۔ پھر دیکھئے کہ مارکس اور لینن کس طرح اس نظریہ کو بغیر سمجھائے سمجھ

لیتے ہیں کہ ایمان کی بنیادوں پر قائم شدہ مساوات' روٹی کی مساوات سے کس درجہ بلند و بالاتر ہے۔ پھر دیکھئے کہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر "عالمگیر سچائیاں" ماننے والے (ابوالکلام آزاد اور غیرہم) کس طرح اس سچائی کے قائل ہوتے ہیں کہ سچائیاں اب صرف قرآن کریم کے ہی اندر ہیں۔ پھر سمجھ میں آجائے گی کہ نوعِ انسانی کی نجات و سعادت کیوں اُنہی اعمال کے اندر پوشیدہ ہے' جو شریعتِ محمدیہؐ نے متعین کئے ہیں۔ پھر معلوم ہوگا کہ اعمال کے صالح ہونے کے لئے کیوں اس قسم کے ایمان کی ضرورت ہے جو کتاب اللہ نے تجویز کیا ہے۔یہ وہ نظام ہوگا جو اسلام کی حقانیت کی زندہ دلیل ہوگا۔ اور یہ وہ جماعت ہوگی' جس کا وجود اللہ کی ہستی کی برہانِ نیّرہ ہوگی۔ اس وقت سمجھ میں آجائے گا کہ حضرت علامہؒ نے یہ کیوں کہا تھا کہ۔

انا الحق جز مقامِ کبریا نیست سزائے اُو چلیپاہست یا نیست؟
اگر فردے بگویش' سرزنش بہ اگر قومے بگوید' ناروا نیست

اب یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ دین کی وحدت کس طرح سے عمل میں آئی تھی اور کس طرح اسے قائم رہنا تھا۔ لہٰذا اگر ہم آج بھی چاہیں کہ وہ متاعِ گم گشتہ ہمیں پھر سے مل جائے، وہ لُٹی ہوئی دولتیں' وہ چھنی ہوئی عظمتیں پھر لوٹ آئیں تو اس کے لئے نظری بحثیں اور لفظی مناظرے کوئی کام نہ دیں گے' ہم جہاں سے بھُولے تھے اور بھول کر اصل راستہ چھوڑا تھا پھر وہیں پہنچنا ہوگا (کہ توبہ کے یہی معنی ہیں) اور وہاں سے پھر وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جو سیدھا راستہ تھا، جو صراطِ مستقیم تھا۔ اگر آپ چاہیں کہ جس غلط راستے پر ایک دفعہ چل نکلے ہیں' کوئی صورت ایسی پیدا ہوجائے کہ اسی پر چلتے جائیں اور منزل پر پہنچ جائیں' تو یہ فریبِ نفس ہے، دھوکا ہے' جھوٹا اطمینان ہے' غلط اقدام ہے۔ آپ چلتے ضرور رہیں گے لیکن ہر قدم آپ کو منزل سے دُور لے جائے گا' **اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ**(2:217) ایسے ہی مقامات کے لئے آیا ہے۔ کہ کام کیا جاتا ہے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ قدم اُٹھتے ہیں' لیکن مسافت طے نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس طویل مدّت میں جو کچھ ہوچکا اسے بھول جایئے۔ گاڑی کو پھر وہیں لے جایئے جہاں سے اس کا کانٹا بدل گیا تھا اور یہ دوسری پٹڑی پر چل نکلی تھی۔ وہاں پہنچکر آپ کو معلوم ہوگا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ قرآنِ کریم تو آپ کے پاس محفوظ و مصئون شکل میں موجود ہے۔ دوسری چیز اس کے ساتھ جماعت اور جماعت میں منصبِ امامت اور قیامِ مرکزیت ہے۔ وہ پیدا ہوجائے تو تمہاری خاک کے ذرّوں میں نمودِ حیات محسوس ہونے لگے گی۔ یہ اُجڑے ہوئے کاشانے پھر سے آباد ہوجائیں گے۔ بھُولے ہوئے مسافر پھر سے منزل کی طرف رُخ کرلیں گے۔ پھر سے ہماری نمازیں اور ہمارے روزے' ہمارے حج' اور ہماری زکوٰۃ اللہ کے لئے ہوجائیں گے' اور پھر ان سے وہ نتائج پیدا ہونے لگ جائیں گے جو قرنِ اولیٰ میں پیدا ہوا کرتے تھے۔

یاد رکھئے ایمان اور اعمالِ صالحہ اگر صحیح اسلامی نظام کے ماتحت وجود پذیر ہوں تو ان کا فطری نتیجہ قوت اور اقتدار ہے جس سے تمکّن فی الارض حاصل ہوتا ہے اور یہی تمکّن اس جماعتِ الٰہیہ کے استحکام و استبقاء کا موجب اور اس کے مرکزی فیصلوں کی تنفیذ کا ذریعہ بنتا ہے۔ آپ شاید کہہ دیں کہ آج جب کہ ملّتِ اسلامیہ میں اس قدر اختلافات پیدا ہوچکے ہیں، جماعت اور اس کا مرکز کس طرح سے فیصلہ کردے گا کہ وہ دینِ حقیقی کون سا تھا جو نبیؐ اکرمؐ اُمّت کو دے کر گئے تھے۔ یہ مشکل صرف آج کے حالات میں حوصلہ شکن نظر آتی ہے۔ جماعت کا وجود عمل میں آجائے تو یہ مشکل، مشکل رہتی ہی نہیں۔ اندھیرے کی تو فطرت ہے کہ چراغ آجائے تو وہ خود بخود مٹ جاتا ہے۔ دین کی بنیاد قرآن پر ہے اور وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ فروعات کی ترتیب کے لئے ایک عظیم القدر علمی سرمایہ ہمارے پاس وراثتاً" چلا آرہا ہے جس سے اگر استشارا" فائدہ اٹھایا جائے تو اس میں بیّنت سی کام کی چیزیں مل جائیں گی۔ آج اس ڈھیر سے غث و ثمین کا الگ کرنا دشوار ہے کہ الگ کرنے والے پہلے ہی ایک خاص چشمہ لگا کر تلاش شروع کرتے ہیں۔ جماعت جب رُوحِ قرآنی سے واقف ہوجائے تو اس کے لئے ڈھیر سے کام کی چیزوں کا چُن لینا دشوار نہیں ہوتا۔ تفسیرِ قرآن، تعدیلِ احادیث، تدوینِ فقہ اس جماعت کا کام ہوگا نہ کہ افراد کا۔ اس جماعت کے فیصلے مرکزِ ملّت کی مُہر سے مصدّق ہوکر نافذ ہوں گے جو اُمّت کے لئے واجب العمل ہوں گے اور ان کی اطاعت "اللہ اور رسولؐ" کی اطاعت ہوگی۔ جن فیصلوں پر مرکز کی مہر نہ ہوگی ان کی دینی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔ اس طرح تفریق جو انفرادیت کے شجرِ ممنوعہ کا تلخ ترین ثمر ہے، مٹ جائے گی اور اس کی جگہ وحدت، جو اجتماعیت کے نخلِ طیّب کا ثمرِ شیریں ہے، پیدا ہوجائے گی اور وہی دین جو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کیلئے قیامت تک باقی رہنے کے لئے پسند فرمایا تھا، اپنی عملی شکل میں رائج ہوجائے گا۔ اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ(9:33) تمام ادیان پر غلبہ کی بشارت کے ماتحت تمام کائنات کو محیط ہوجائے گا کہ اسلام کا شجرِ طیّب شرق و غرب کے امتیازات سے ناآشنا اور اس کا بحرِ موّاج کوہ و دمن کے جغرافیائی حدود و قیود سے آزاد ہے۔

———○ ○ ○———

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب نبیؐ اکرمؐ کے تشریف لے جانے کے بعد اللہ اور رسول کی اطاعت آپؐ کے جانشین (یعنی مرکزِ ملّت) کی اطاعت میں منتقل ہوگئی تو کیا اس مرکزِ ملّت کو یہ اختیارات حاصل ہوں گے کہ وہ اپنے وقتی مصالح کے پیشِ نظر تمام معاملات میں ردّ و بدل کرسکے یا ایسے امور بھی ہوں گے جن میں وہ تغیّر و تبدّل کا مجاز نہ ہوگا؟

یہ سوال بھی اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہماری نگاہوں سے اسلامی نظام اوجھل ہوچکا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے جانشین دین کے ان معاملات میں جو ناقابلِ تغیّر ہیں، کسی قسم کے ردّ و بدل

کرنے کا خیال تک بھی دل میں لاسکتے؟ حضرت ابوبکرؓ نے بیعتِ خلافت کے بعد سب سے پہلے خطبہ میں اپنی پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کردیا کہ **انی متبع لست لمبتدع** میں تو اتباع کرنے والا ہوں نہ کہ (دین کے معاملہ میں) نئی نئی باتیں پیدا کرنے والا۔ اور اسی طرح بعد کے خلفائے راشدینؓ اپنے پیش رو خلفا کی متابعت کا اعلان کرتے رہے۔لیکن اس چیز کا فیصلہ کہ کن امور میں اتّباع واجب ہے اور کن امور میں مرکزِ ملّت تبدیلی کا مجاز ہے' مرکزِ ملّت ہی کر سکتا ہے نہ کہ افرادِ ملّت۔افراد کے لئے تو مرکز کی اطاعت ہی اللہ و رسولؐ کی اطاعت ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تو یہی فرمایا تھا کہ جب تک ہر وہ شے جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں بیت المال میں داخل کی جاتی تھی' داخل نہ کی جائے گی اس وقت تک میں جہاد سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ اُس وقت اِس فیصلہ کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت تھی لیکن اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ نے اجازت فرما دی کہ زکوٰۃ کا روپیہ مرکزی بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنی مقامی ضروریات کے صرف میں بھی لایا جاسکتا ہے' تو ہرچند کہ یہ طریقِ عمل' نبیٔ اکرمؐ اور حضرات شیخینؓ کے زمانہ کے طریقِ عمل کے خلاف تھا لیکن افرادِ ملّت کے لئے اُس کی اطاعت بھی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت تھی۔ اس لئے کہ جب صحیح اسلامی نظام قائم ہو' امامت کے بہترین منتخبہ افراد کے اجتماع سے مجلسِ مشاورت عمل میں آئی ہو اور ان میں سے بہترین تقویٰ شعار مومن قانت ان کا امام ہو' قرآنِ کریم کا خضرِ راہ اور نبیٔ اکرمؐ سے لے کر اپنے وقت تک کے تمام پیش رو خلفاء کے فیصلے اُن کے سامنے ہوں تو ان کے لئے اس امر کا فیصلہ کچھ مشکل نہیں ہوگا کہ کون سا مسئلہ ایسا ہے جس میں وہ کسی تغیّر و تبدّل کے مجاز نہیں اور کون سے ایسے امور ہیں جن میں وہ تبدیلی کرسکتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ نبیٔ اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ طوافِ کعبہ اور سعیٔ بین الصّفا و المروہ میں مسلمانوں کو اکڑ کر چلنا چاہئے۔ حضورؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس حکم کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ وہ مصالح جن کے ماتحت وہ حکم دیا گیا تھا' اب باقی نہیں رہے' اس لئے اس حکم کی تعمیل بھی ضروری نہیں رہی۔ اسی طرح نبی اکرمؐ کے عہدِ مبارک میں نمازِ جمعہ کے لئے صرف ایک اذان دی جاتی تھی لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک اذان اور بڑھادی۔ مختصراً یہ کہ جب جماعت روحِ دین سے واقف اور غوامضِ شریعت کی مزاج شناس ہوجائے تو وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہاں رُکنا ہے اور کہاں بڑھنا ہے۔ یہ فریضہ تھا مرکزِ ملّت کا' لیکن جب سے اس قسم کے فیصلے افراد کے ہاتھ میں آگئے' دین کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ اور اب باوجود اِدعائے اطاعت اللہ اور رسولؐ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ "اطاعت اللہ و رسولؐ" ٹھیک کہاں ہو رہی ہے۔ اس کا تعین مرکزِ ملّت کا کام ہوگا۔

———○ ○ ○———

ہم جانتے ہیں کہ کورانہ تقلید کی تن آسانیاں اور سہل انگاریاں آپ کو اس طرف آنے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گی' عقیدتمندی کا غلط مفہوم بھی عناں گیر ہوگا' گوناگوں وساوس کے کانٹے بھی دامن سے اُلجھیں گے' جمود اور تعطل کے سنگِ گراں راستہ روکیں گے' لیکن ہم آپ سے اتنی گزارش کریں گے کہ آپ ایک مرتبہ ان چیزوں سے خالی الذہن ہوکر سوچیں کہ جس افتراق و انتشار میں مسلمان آج مبتلا ہیں' کیا اسلام کا منشاء یہی تھا! اگر نہیں! تو کیا آپ پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ اسلام کو پھر سے اس کی اصلی شکل میں رائج کرنے کی کوشش کریں۔ آج جتنی کوششیں ہورہی ہیں' اپنے اپنے فرقہ کو "اصلی اسلام" قرار دے کر اسی فرقہ کی ترویج و اشاعت میں ہورہی ہیں اور یوں مختلف فرقوں کی دیواریں مضبوط ہوکر وحدتِ اسلامی کے ٹکڑے کر رہی ہیں۔ یہ دیواریں گرجائیں تو دشتِ حجاز سے اُٹھے ہوئے دین کی وحدت پھر سے قائم ہوجائے۔ ان دیواروں کی تخریب سے آپ کے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس فرقہ سے آپ متمسک ہیں' جماعت کی تشکیل کے بعد یہ متحقق ہوجائے کہ اسی فرقہ کا مسلک اصلی اسلام ہے۔ اس صورت میں آپ کی موجودہ روش کو مرکز کی سند حاصل ہوجائے گی اور اگر وہ مسلک غلط ثابت ہوگیا تو آپ ضلالت کی راہ سے بچ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں گے۔ وہ وقت ایسا ہوگا۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (8:42) جو زندہ رکھنے کے قابل ہوگا' وہ علی وجہ البصیرت قائم رکھا جائے گا اور جو مٹا دینے کے قابل ہوگا وہ علی البصیرت مٹا دیا جائے گا! یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں اور اسے نہایت دیانتداری سے دین کا صراط مستقیم سمجھ رہے ہیں' حقیقت کھل جانے پر معلوم ہو کہ یہی راستہ آپ کو ہلاکت اور بربادی کے ہولناک غاروں کی طرف لے گیا ہے اور یہ حقیقت اُس وقت کھلے جب ندامت و پشیمانی کوئی فائدہ نہ دے سکے۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (6:104)

(طلوعِ اسلام نومبر 1938ء سے ماخوذ)

The contents appearing in this publication are indexed by PERIODICA ISLAMICA

For further information, please contact:
Dr. Munawar A. Anees, Editor-in-Chief, *Periodica Islamica*
Berita Publishing, 22 Jalan Liku, Kuala Lumpur-59100, Malaysia
Tel (+60-3)282-5286 • Fax (+60-3)282-1605
*E-mail*: America Online: *dranees* • CompuServe: *72260,227*
Delphi: *drmanees* • InterNet: *dranees@klcyber.pc.my*

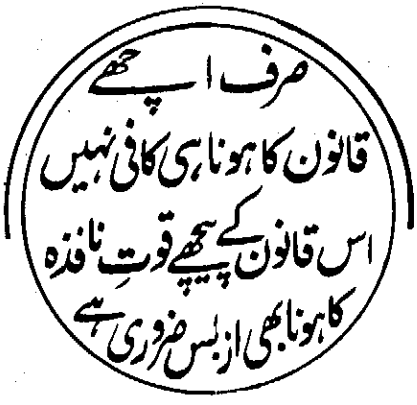

# ختم نبوت اور پرویزؒ

حضور نبیٔ اکرمؐ کے بعد' نبوّت کے امکان کا تصوّر بھی انسان کو اُمّتِ محمدیہؐ کے دائرہ سے خارج کردیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبوّت کی مختلف قسمیں نہیں ہوتیں۔ نبوّت کی ایک ہی قسم ہے اور وہی اصلی اور حقیقی نبوّت ہوتی ہے' جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی۔ نبوّت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہونا۔ اس علم کو وحی یا اس نبی کی کتاب کہا جاتا تھا۔ یہ وحی اپنی آخری' مکمّل اور غیر متبدّل شکل میں قرآن کی دفتین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کردی گئی ہے۔ لہٰذا نبوّت کا خاتمہ ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ مدّعیٔ نبوّت ہے۔ لہٰذا جھوٹا اور خدا کے خلاف افترا کرنے والا۔ ظلّی' بروزی' تدریجی' اتباعی نبوّت کا تصوّر بھی خلافِ قرآن ہے۔ اور مسیحِ موعود' مجدّد اور مہدی کا ذکر تک بھی قرآن میں نہیں۔ ختمِ نبوّت کے بعد' رسالتِ محمدیہؐ کا عملی نفاذ قرآنی نظامِ حکومت کی شکل میں ہوگا۔ اسی نظام کی وارث' اُمّتِ محمدیہؐ خیرالامم ہے۔ جب تک وہ نظام قائم رہا اُمّت میں کوئی مدّعیٔ نبوّت پیدا نہ ہوا۔ اب اس قسم کے مدّعی اس لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اُمّت میں وہ نظام باقی نہیں رہا۔ ان مدّعیوں کے دعاوی کے ابطال کی عملی صورت یہی ہے کہ دنیا میں پھر سے دین کا نظام قائم کردیا جائے۔ "آنے والے" کا انتظار مایوسی کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ جب نظامِ خداوندی کے قیام سے مایوسی ختم ہوجائے گی۔ تو پھر اُمّت کو کسی نئے ظہور کی طلب و جستجو نہیں رہے گی۔ اُس وقت ایران کے باب اور بہاء اللہ کی سمجھ میں بھی یہ بات آجائے گی۔ کہ قرآن' ریلوے ٹائم ٹیبل کی طرح منسوخ العمل نہیں ہوگیا بلکہ وہ انسانی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ابدی اصولِ حیات اپنے اندر رکھتا ہے' اور اُس وقت قادیانی نبوّت یا مجدّدیت پر بھی یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ رسالتِ محمدیہؐ اس طرح ابدیت درکنار ہے کہ نہ اس کا دور کبھی ختم ہوسکتا ہے اور نہ ہی مرورِ زمانہ سے وہ ایسی بوسیدہ ہوجاتی ہے کہ اسے تجدید کی ضرورت لاحق ہو۔ اس وقت دنیا دیکھ لے گی کہ یہ رسالت اس شجرِ طیّب کی طرح بہارِ خزاں ناآشنا کی مظہر ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا (13/35) جس کے سائے بھی ہمیشہ گھنے اور ٹھنڈے رہتے ہیں اور جس کی شاخیں بھی ہر موسم میں پھلوں سے جھکی ہوئی۔ جھوٹے مدّعی' قوموں کی زبوں حالی کی خاک سے پیدا ہوتے اور مایوسی کی فضاء میں پروان چڑھتے ہیں۔ زندہ قومیں

اپنے دعاوی کی صداقت کی آپ دلیل ہوتی ہیں۔ اور رسالتِ محمدیہؐ میں، جو قرآن ہی کا دوسرا نام ہے، قیامت تک یہ قوت موجود ہے کہ وہ ہر اس قوم کو زندگی عطا کردے جو زندہ رہنے کی متمنی ہو۔ قرآن کا پیغام، اپنی حقیقت سے ناآشنا مسلمان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ۔

وائے نادانی کہ محتاجِ ساقی ہوگیا
بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایّام ہے

مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اب یہ (مسلمان) "زمانے میں خدا کا آخری پیغام" اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس کا ایمان ہو کہ خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونے کا امکان، حضورؐ ختم المرسلین کی ذاتِ اقدس پر ختم ہوگیا اور قرآنِ کریم قیامت تک تمام نوعِ انسان کے لئے غیر متبدّل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوسکتا۔ اسی کو ختمِ نبوّت کہتے ہیں۔

والسلام

غلام احمد پرویزؒ

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" سے ماخوذ)

---

**موت وحیات**

**کا قانون اسی لئے متعین کیا گیا ہے کہ تم میں سے کون ایسے کام کرتا ہے جو اس قانون کے مطابق زندگی بخش دیں اور کون ایسا ہے جو اپنے اوپر ہلاکت وارد کر لیتا ہے۔**

ابلیس و آدم صفحہ نمبر ۵۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمائندہ بزم کویت

# ایک ضروری وضاحت

طلوع اسلام کے شمارہ اگست 1996ء میں جناب علی محمد چدھڑ صاحب کا ایک مضمون "قائداعظمؒ اور پاکستان" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے بزم کویت کی ایک علمی نشست میں سفیرِ پاکستان جناب کرامت اللہ خان غوری صاحب کے خطاب بعنوان۔ "پاکستان اور فرقہ واریت" پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے سفیرِ محترم پر چند ایسے الزامات عائد کئے ہیں جن کا کوئی جواز نہ تھا۔ میں بحیثیت نمائندہ بزم کویت ان الزامات کی پر زور تردید کرتے ہوئے جناب غوری صاحب سے معذرت خواہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ محترم کرامت اللہ خاں غوری صاحب بزم کویت کی مذکورہ نشست میں نہ از خود تشریف لائے تھے اور نہ ہی حکومتِ پاکستان کے ایما پر شریکِ محفل ہوئے تھے۔ آپ بزم کویت کی دعوت و اصرار پر اپنی سفارتی مصروفیتوں اور مجبوریوں کو پس پشت ڈال کر اس تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ آپ کی تشریف آوری ہم سب کے لئے باعثِ عزّ و شرف ہوئی جس کے لئے ہم آپ کے تہہِ دل سے ممنون ہیں۔

جہاں تک ان کے خطاب کا تعلق ہے وہ بزم کویت کا تجویز کردہ تھا اور مقصود اس کا یہ تھا کہ پاکستانی قوم اس وقت جس بدترین فرقہ واریت کی شکار ہے، اس کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔

محترم غوری صاحب نے اس موضوع پر اپنا نقطۂ نظر نہایت واضح اور بلیغ انداز میں پیش کیا۔ ان کی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ان کے خلوصِ نیت پر شک کرنا، قرآن کے طالب علموں کو زیب نہیں دیتا۔

نظریۂ پاکستان، جس پر فاضل مضمون نگار نے اعتراضات اٹھائے ہیں جناب غوری صاحب کا موضوع خطاب تھا ہی نہیں۔

سیاق و سباق کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا پورا مضمون پڑھا جائے تو نظر آتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کے معروضی حالات اور اسلام کے مروّجہ تصوّرات کی بنیاد پر ملک میں موجود صورت حال کا جائزہ پیش کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قائداعظمؒ پاکستان کو اسلامی اصولوں کی عملی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے مگر تھیا کریسی نہ انہیں پاکستان بننے سے پہلے گوارا تھی نہ پاکستان بن جانے کے بعد۔ انہوں نے اس کے حق میں کسی قسم کی مفاہمت قبول کی۔ یہی کچھ اپنے خطاب میں محترم غوری صاحب نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی فاضل مضمون نگار کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ جناب چدھڑ صاحب نے خود بھی لکھا ہے کہ شخصی اور پبلک لاز کی بندر بانٹ نے ملک کو تباہ کردیا ہے اور بے چارہ پاکستانی موجودہ صورت حال سے گھبرا کر پکار اٹھا ہے کہ۔

سحر کا ایک ہی مفہوم ہے' طلوع سحر
مجھے فریب نہ دیں روشنی کی تفسیریں
کچھ اور نام ہے اس کا یہ فصلِ گل تو نہیں
کہ بوئے گل کے لئے ڈھل رہی ہیں زنجیریں

یہ درست ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ نفاذِ اسلام کا کوئی پروگرام قائداعظم کے ذہن میں نہ تھا فدایانِ تحریکِ پاکستان کو گراں گذرتا ہے لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہیں اتنا ضرور سوچ لینا چاہئے کہ بات کون سے اسلام کی ہو رہی ہے۔ دین کی یا فرقوں میں بٹے ہوئے مذہب کی۔

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ایسے لوگ ملک میں اب بھی موجود ہیں جو اس فرق کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں۔

وابستگان تحریک طلوع اسلام کو ایسے حضرات کی قدر کرنی چاہئے۔

رحمت اللہ طارق سیاح بلاد اسلامیہ

# وادیٔ نمل کی ہشیار ملکہ

## منطق الطیر، ھدھد اور دابۃ الارض کی حقیقت

مضمون کا پہلا حصہ آپ اگست 1996ء کے شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا حصہ اب پیش خدمت ہے۔اس سے امید ہے وادیٔ نمل کی حقیقت مزید واضح ہوجائے گی۔
یہ سلسلہ جیساکہ قارئین جانتے ہونگے۔ ماہنامہ "اشراق" میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے جواب میں پیش کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے ارباب فکر پرویزؒ کی توجہ دلاتے ہوئے وادیٔ نمل کے باسیوں کو چیونٹیاں ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ادارہ طلوع اسلام' علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے پیرانہ سالی کے باوجود اس خشک میدان میں عرق ریزی کی ہے۔ اللہ ان کی ہمتیں جوان اور حوصلے بلند رکھے۔

مدیر مسئول

یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

## ایک تازہ شہادت

مذکورہ وادیٔ نمل جو اڑھائی ہزار سال سے تاریخی وجود اور تشخص رکھتی ہے' اس کی بابت علامہ ابوالجلال ندوی لکھتے ہیں: WALTER-B HARRIS.F.R.C.S نے اپنی شہرہ آفاق کتاب JOURNEY THROUGH THE YEMAN میں ایک نقشہ دیا ہے۔ اس میں صنعا اور "ذمار" کے درمیاں طول بلد 44'30 اور عرض بلد 14'60 پر بلاد انیس میں وادیٔ "نمل" کو دکھلایا ہے۔

(طلوع اسلام لاہور دسمبر 1959ء صفحہ 46)

اور اسی مقام کے جنوب مشرق میں سات یوم کی مسافت پر شہر "مادب" کے آثار واقع ہیں جو ملکہ بلقیس کا پایہ تخت تھا۔ والٹر کی اس نئی تحقیق نے فکر و نظر کے مزید گوشے واضح کئے اور نمل کے افسانوی رنگ کو زائل کرکے حقیقی صورت میں پیش کردیا ہے۔

## نمل خاندان کا شجرہ نسب

الہمدانی۔ اپنی دوسری کتاب۔ "الکلیل" میں نمل خاندان کا شجرہ نسب اس طرح پیش کرتے ہیں۔

**"نملہ بن قادم بطن من جمورین بن علیان بن زید بن عریب بن چشم من حاشد بن ہمدان"**

(**الکلیل طبع قاہرہ جلد** 10 / 102)

اس شجرہ نسب میں نملہ بن قادم کے خاندان کو بنی حاشد سے مربوط کیا گیا ہے کہ ان ہی کے علاقے میں نمل والوں کی بستیاں اور بازار واقع تھے۔ کاش میرے ناقد محترم وسیع النظری کا ثبوت دے کر حقیقت نگری کو شیوہ بنا لیتے۔

## غار مؤنث یا مذکر ؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ "نملہ" کو حکایتِ سلیمانؑ میں مونث دکھلایا گیا ہے جبکہ ہمدانی کے شجرہ نسب میں "قادم" کا بیٹا کہہ کو مذکر بتلایا گیا ہے۔ حقیقت حال کیا ہے ؟ یہ سوال اگرچہ "نمل" ذات کی نفی نہیں کر پاتا تاہم سوال کی حد تک قابلِ جواب ضرور ہے۔ امام رازی 1210 م لکھتے ہیں کہ **لان النملہ مثل الحمامہ والشاۃ فی وقوعھا علی الذکر والانثی یمیز بینھما بعلامہ لحوقولھم حماہ ذکر و حمامہ انثی**

"نملہ۔ حمامہ (PIGEON) اور "شاۃ" کی طرح مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ اس کی تذکیر و تانیث کو فعل کے ذریعہ واضح کیا جاتا ہے مثلاً" حمامہ مذکر۔ اور حمامہ مونث یعنی فعل قال ہے تو مذکر اوراگر قالت ہے تو مونث"

(تفسیر فخر رازی طبع قاہرہ جلد 19/187/24 تا 20)

## اقوامِ نمل کی نقل مکانی

سلف میں سے قتادہ بن عامہ (736) کا خیال ہے کہ اقوام نمل کا مسکن شام ہے۔ ان کا یہ کہنا اس زاویہ سے درست ہے کہ نقل مکانی کے دستور کے مطابق یہ اقوام کسی ایک محدود جغرافیائی حد میں محصور نہیں رہیں بلکہ قرب و جوار کے جن ممالک کی طرف منتقل ہوتی رہیں؛ وہاں پہنچ کر بھی اپنی امتیازی حیثیت' عادات و خصائل کو برقرار رکھ کر اپنے ہی سابقہ علاقوں اور قبیلوں کے ناموں پر شہر اور بستیاں آباد کرتی رہیں۔ یہ تمدن اور معاشرت کا ایسا اصول ہے جسے بہت کم نظر انداز کیا گیا ہے۔ ملتان سے ہندوے انڈیا پہنچے تو وہاں اپنا قدیمی تشخص برقرار رکھنے کے لئے دہلی جمنا پارے نیو ملتان آباد کیا۔ بمبئے اور اجمیر میں سندھی کالونیاں تعمیر ہوئیں۔ اسی طرح ہندوستان سے پناہ گیروں کا زور کا ریلا آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سندھ و جنوبی پنجاب کا چپہ چپہ ہندی کالونیوں میں تبدیل ہوگیا۔ ہر جگہ لوکل نام و آثار مٹا کر نامانوس اور اجنبی نام تجویز کئے گئے۔ اسی طرح پرانی تہذیبیں مٹتی چلی گئیں اور نئی مگر لاغر تہذیبوں نے قائمقامی شروع کردی لیکن باایں تغیّر و تبدل کسی بھی قوم میں حیاتِ کہنہ کی تھوڑی سی بھی رمق اگر پائی جاتی ہے تو ہزار ہا سال گذرنے پر بھی اسے حیاتِ نو کا سراغ مل جاتا ہے۔ اسرائیل اس کی زندہ مثال ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اقوامِ نمل نے ہجرت کے اسی اصول کے مطابق اگر محدود پیمانے پر بھی جزیرہ العرب کے دوسرے حصوں کی طرف نقل مکانی کرلی ہو تب بھی اسے خلاف واقعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن سلیمانؑ نے جس وادی النمل کو اپنی خواہشوں میں شامل کرلیا تھا یا اس وادی میں پہنچ کر فاتحانہ عزائم کا اظہار فرمایا تھا وہ

جنوب جزیرہ العرب میں واقع تھی۔ شام والی وادی نہیں تھی اس وضاحت کے ساتھ ہی شام اور مصر میں آباد ہونے والی اقوام نمل کا تعارف حاضر ہے۔ مشہور مورخ اور علم الانساب کا ماہر علامہ احمد بن علی بن احمد۔ عرف۔ القلقشندی (1418) اپنی شہرہ آفاق کتاب تصنیف "نہایہ الارب فی معرفہ قبائل العرب" میں لکھتے ہیں۔ **النمل بطن من الصبحین من ثعلبہ طی من القحط ادیہ کانت مساکنھم مع قومی مم ثعلبہ باطراف مصر ممایلی اوشام**

"نمل--- بنو قحطان کے قبیلے ثعلبہ کی شاخ صبحین سے تعلق رکھتے ہیں یہ لوگ قحطانیوں کے مرکز جنوب جزیرہ العرب" (یمن، حضر موت، متحان اور عدن) سے چل کر شام کے اس حصے میں آباد ہوئے تھے جو مصر کی اطراف میں واقع ہے۔

(نہایہ الارب طبع بغداد 1913ء بحوالہ عمر رضا کحالہ۔ قبائل العرب)

نمول۔ جمع نمل کی۔ جس طرح مغول جمع ہے مغل کی۔ عربی میں "فعول" کا وزن جمع کے لئے خاص ہے۔ یہاں "نمل" کو بنی قحطان کی ثعلبہ فیملی میں شمار کیا گیا ہے اور قحطان کے بارے میں جدید اور قدیم تاریخی نوشتے متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ جنوبی یمن میں واقع تھا۔ یہ لوگ جب قحطان سے چلے تو اپنے قدیمی عرف اور قومی پہچان "نمل" کے ساتھ شام سے ملحق اطراف مصر میں رہنے لگے تھے جیسا کہ معلوم ہوا اور مزید تفصیل آرہی ہے۔

یہ قحطانیہ، سرسید اور تمام مورخوں اور انسانوں کی تحقیق کیمطابق، عرب کے تمام بڑے قبائل کے مورثِ اعلیٰ اوربانی تھے۔علامہ خیرالدین زرکلی فرماتے ہیں۔ **اصل العرب القحطانیہ و ابوبطون حمیر و کھلان والتبابعہ (ملوک الیمن) واللخمیین (ملوک الحیرہ) والغساسنہ (ملوک الشام) فی الجاہلیہ۔ بعدہ اہل الانساب۔ اولد جال الجیل الثانی من اجیال من اجیال العرب الثلاثہ۔**

عرب کی اصل اور بنیاد قحطانیوں سے چلی اور عرب کے تمام بڑے قبائل جیسے حمیر، کہلان اور یمن کے فرماں روا تبابعہ اور "حیرہ کے شاہان بنو لخم اور شام کے غسانی حکمران جو اسلام سے مدتوں پہلے حکومت کرتے رہے سبھی نسل اور وطن کے لحاظ سے قحطانی تھے بلکہ عربی انساب کے ماہرین دور ثانی (العرب العاربہ) کا پہلا فرد اسے ہی ٹھہراتے ہیں۔"

(الاعلام- زرکلی طبع دوم۔ قاہرہ جلد 30/6)

ان قبائل میں بنو لخم کی بابت مورخ۔ ابن تغزی۔ بردی (1470ء) لکھتے ہیں۔

**لخم قبیلہ من العرب قدموا من الیمن الی بیت المقدس ونزلوا بالمکان الذی ولد فیہ عیسیٰ بینہ و بین القدس فرسخان والعامہ تسمیہ بیت لحم بالحاء المھملہ و صوابہ بیت اللخم بالخاء المعجمہ۔**

بنو لخم ان عربوں کا قبیلہ ہے جو یمن سے چل کر بیت المقدس سے چھ میل کے فاصلے پر ولادت مسیح کے شہر بیت لخم میں آباد ہوئے۔ یہ لحم کا حرف۔ حا' (H) سے نہیں خاء (KH) سے ہے یعنے بیت الحم نہیں بیت اللخم ہے۔

(زرکلی الاعلام 106/6)

ان اقتباسات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جنوبی عرب کے بہت سے قبائل اپنے مسکن سے نکل کر عراق کی طرح شام، فلسطین، اردن بلکہ مصر میں بھی آباد ہوئے اور وہاں پہنچ کر ان تازہ واردوں نے اپنے ہی

قبیلہ کے نام پر کہیں "بیت نمل" کالونی قائم کی تو کہیں طاء النمل کے عنوان سے بستیاں بسائیں اور قوموں کے اسی عمل کے مطابق ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دوسرے قبائل کی دیکھا دیکھی "نمل" قبائل کے افراد بھی جزیرہ العرب کے جنوب سے نکل کر شمال مغرب میں جا آباد ہوئے۔ مشہور ریسرچ سکالر۔ استاذ مصطفیٰ دباغ "تاریخ بلادنا" میں ماضی بعید کے ان آباد کاروں کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"نمل قوم کو مختلف ادوار میں بڑا عروج رہا ہے۔ یہ عسکلان شہر کی فصیل کے شرقی جانب کے قریب گاؤں الجوزہ کے جنوب مغرب میں 500 میٹر کے فاصلے پر آج بھی آباد ہے اور اسی" "الجوزہ" کے مقام پر ان کا قبرستان بھی ہے۔ عرب اس مقام کے تقدس کے طور اکٹھے ہوکر سالانہ ایک "میلہ" بھی لگاتے ہیں۔ یہ وادی نما خطہ جنوب کی طرف بہت دور تک چلا گیا ہے۔

(بحوالہ = معجم القرآن= طبع قاہرہ جلد 16/234/2 تا 14)

اور کچھ بعید نہیں کہ "نقل مکانی" کے اسی قبائلی رواج کے مطابق "نمل" والے نہ صرف جزیرہ العرب کے ایک حصے سے نکل کر دوسرے حصوں تک پہنچتے رہے ہوں بلکہ عین ممکن ہے کہ آس پاس کے افریقی ملکوں میں بھی اپنے قبائلی اسماء و اعلام کو لے کر منتقل ہوتے رہے ہوں۔ مثلاً" پانچ ہزار سال قبل مسیح یمن کے "دعاۃ" ہی تھے جو یمن سے نکل کر مصر (و افریقہ) میں جا آباد ہوئے اور مقامی لوگوں نے انہیں ہکسوس یعنی دعاۃ (خانہ بدوش) کے لقب سے پکار کر احساس دلایا کہ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ بہرحال ہکسوس فراعنہ نے ہزاروں سال تک فرماں روائی کی' بلند و بالا اہرامات تعمیر کئے۔ ان اہرامات کی تعمیر میں کعبہ آرٹ کو بنیاد بنا کر چوکور کھڑا کیا۔ اس طرح انہوں نے مصر کو ایک نئی تعمیری تہذیب سے آشنا کرکے ابد آلاباد تک زندہ و جاوید بنا دیا۔

ان ہکسوس نے 5004 ق م سے لے کر 3046 ق م تک فرمائی روائی کی اور تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے۔

## دوسرے وطن کا ایک اور ثبوت

مشہور ریسرچ سکالر علامہ چراغ علی مرحوم (1895م) "نمل" کی بابت شہرہ آفاق مورخ احمد المقریزی 1442ء کے حوالہ سے ہارون الرشید (۸۰۹) کے ذکر میں لکھتے ہیں (بحذف تفصیل)

وہ دورہ کرتے ہوئے جب شام کی وادیٔ نمل میں پہنچے تو وہاں کی بڑھیا (رئیسہ) نے ان کی دعوت کی۔ خلیفہ نے اس خیال سے کہ طاء النمل قبیلہ نمل کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے' دعوت قبول کرنے میں پہلے تامل کیا' آخر قبول کرلی۔ اور رخصت کے وقت قبیلہ نمل کی رئیسہ نے اشرفیوں بھری کئی تھیلیاں نذر کیں جس پر خلیفہ بڑا ہی متعجب ہوا کہ اتنا سونا کہاں سے آیا؟ بوڑھی رئیسہ نے جواب دیا کہ ہم ریت سے سونا نکالنے کا کام کرتے ہیں اور اس وادی میں ایسی ریت کثرت سے پائی جاتی ہے لہٰذا ہمارے ہاں سونا بہت ہے۔

(تہذیب الاخلاق جلد 142/3 حاشیہ نمبر بحوالہ اقوم المسالک صفحہ 37 مصنف خیرالدین تونسی 1890ء)

حسن اتفاق ملاحظہ ہوکہ جب سلیمان" کا یمن کی وادیٔ نمل پر گذر ہوا تو اس وقت قوم نمل پر ایک نملانی حکمران تھی اور جب اٹھارہ سو سال بعد شام کی وادیٔ نمل پر عباسی خلیفہ کا گذر ہوا تو تب بھی یمنی قبیلہ کے تارک

وطن "طاء النمل" کی ناظم الامور ایک نملہ ہی تھی۔

مذکورہ بالا مستند حوالے۔ اقوام نمل کے وطن، قلعوں، دروازوں، کالونیوں اور بیسوی صدی مسیحی تک کی خانقاہوں، گورستانوں اور مسکنوں کی واضح نشاندہیوں کے باوصف بھی کیا "نمل" کو چیونٹیوں ہی میں شمار کیا جائے گا؟ کیا یہ انسان کے ترقی یافتہ شعور سے مذاق نہیں ہے؟ کیا یمن کی وادیٔ نمل کی ہشیار ملکہ نے جب سلیمانیؑ مزاحمت سے پہلے ہی شریفانہ اقدار کا مظاہرہ کیا اور سلیمانؑ اس کی فہم و فراست پر مسکرائے اور اس لاشعوری قتل و غارت اور تخریب سے رک جانے پر اللہ کا شکر بجالائے کہ بے قصور جانیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔ (مفہوم از نمل، 19)

تو کیا یہ شکر بجا آوری اس لئے تھی کہ چیونٹیوں نے مقابلہ نہ کرکے جان بھی بچائی اور سلیمانیؑ افواج کی تلواریں بھی حرکت نہ کرسکیں؟ اے کاش اس طرح کی سوچ ہمارے ذہنوں پر سوار نہ ہوتی۔

## شبہات اور وسوسے

دنیا میں وہ کونسی حقیقت ہے جس میں شکوک و شبہات نہیں ڈالے گئے اور کون سا وہ سچ ہے جس پر بے یقینی و بد اعتمادی کا اظہار نہیں کیا گیا؟ لیکن اس کے باوصف ہوتا یہی رہا کہ حقیقتیں جب کبھی اپنی فطری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئیں، وسوسہ اندازوں کی کج روی اور کج نہادی ناکامی و نامرادی کا روپ دھارنے لگیں۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ جونہی میرا مضمون "وادیٔ نمل کی" ہشیار ملکہؑ صفحہ قرطاس پر طبع ہوا مقدس جبینوں پر شکنیں پڑنا شروع ہوگئیں اور انہوں نے حقائق کا سامنا کرنے کی بجائے وسوسہ اندازی کا سہارا لینا مناسب سمجھا" (ملاحظہ ہو چٹان لاہور 58-12-22)

_____ یہ عمل اگرچہ ان کی افتاد اور مزاج کے عین مطابق تھا لیکن اس سے میرے جیسے جویائے حقیقت کی تشفی کیسے ہوسکتی تھی چنانچہ 12/1/59 کے چٹان میں میں نے دلی اضطرابات کو سکرین پر پھیلادیا۔ اب معترض کے عقیدے کو "وسوسے" اور اپنی "صفائی" کو "قولِ فیصل" کے عنوان سے ظاہر کرکے متلاشیان حقیقت سے انصاف کا خواہاں رہوں گا۔

## پہلا وسوسہ۔ ربطِ آیات

ناقد محترم نے سورہ "نمل" کے موضوع و دیگر ہمسایہ سورتوں کے ساتھ ربط اور مناسبت پر زور دیتے ہوئے یہ تاثر دیا ہے کہ

_____ نمبر1 نمل کا موضوع ایمان بالآخرت ہے اور نمبر2 کہ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا واقعہ دیگر مقامات پر بھی بیان ہوا ہے مگر یہاں ذکر ہونے سے اس اصول کی تصدیق ہوتی ہے کہ نمل اور ان واقعات میں کوئی ربط ہے۔ لہٰذا تمام تفاصیل کو نظر انداز کرکے صرف "اصولِ ربط" یا سورتوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(خلاصہ از چٹان 22 دسمبر 58 صفحہ 9 کالم نمبر)

## قولِ فیصل

حضرتِ ناقد نے قرآنِ محکم کو ایک انسانی تصنیف سمجھ رکھا ہے جس میں موضوع اور سابقہ و لاحقہ سے مناسبت کو دیکھا جاتا ہے جبکہ وحیٔ قرآن میں مضامین کی "صف بندی" اور ضبط و ربط کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ مالی ہر چیز کو قرینے سے سجاتا ہے، مختلف کیاریوں میں گلوں کے تختے بٹھاتا ہے اور منفرد ترتیب سے چمن کی ہر چیز میں خوبصورتی کا اضافہ کرتا ہے کہ

انسان فطرتاً" حسن پرست ہے۔ بناوٹ و سجاوٹ کے اس کے اپنے انداز ہیں، لیکن قدرت کے "مالی" نے جس ترتیب سے اشیاء کو سینچا اور ان کے حسن کو نکھارا ہے وہ ہمارے پیمانے اور معیار سے کم ہی ربط و مناسبت رکھتی ہے۔ کوہساروں پر جائیں اور رنگِ قدرت کا تماشہ دیکھیں وہاں ہر شے بے ربط و بے قرینہ ملے گی، مگر سراپا حسن ہوگی۔ ہر گل دوسرے سے ظاہر بغل گیر مگر تصنع کی بغل گیری سے بے نیاز۔ ہر چیز میں باہمی معانقہ ہوگا مگر بناوٹ کی دوستی سے پاک صاف۔ پربتوں کی گنگناتی اور پیچ و تاب کھاتی وادیوں پر نظر ڈالئے تو یہ ہمارے جیومیٹری کے حساب سے بنی ہوئی نہروں کی طرح سیدھی اور بننے میں کسی طرح کی طغیانی اور سرکشی سے آلودہ نہ ہوں گی۔ اسی طرح یہ قرآن فاطرِ ازل کا نازل کردہ اور عرب کی غیر مصنوعی فطرت کے مطابق تمام انسانی **تکلفات** و معیارات سے بے نیاز ہے کیونکہ یہ کسی انسانی تراوش کا چربہ نہیں ہے۔ یہ حضرت انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں مضمون کی بناوٹ، تسلسل اور باب بندی کو ملحوظ رکھ کر ہم عصر دانشوروں، عقلاء اور اصحاب فکر کو متوجہ کرے۔

غرضیکہ حقیقتوں کا سراغ لگانے سے نہ تو ایمان بالآخرت پر زد پڑتی ہے اور نہ ہی قرآن کا منفرد اندازِ بیان مجروح ہوتا ہے۔ بفرض محال "اصولِ ربط" کو تسلیم کر بھی لیا جائے، تب بھی نوعِ انسانی کو قرآن فہمی میں نئی مشکلات اور مفہوم کی ہم آہنگی کے نئے **تکلفات** سے دوچار کرنا پڑے گا، جبکہ قرآنِ محکم کے تیئس سالہ متفرق مضامین کو ایک ہی موضوع کی لڑی میں پرونا یا کسی ایک مضمون سے مربوط کرنا اس کی فطری رعنائیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کرنے کے مترادف ہے اور کیا تعجب ہے کہ ہمارے ذہن کو جن خارجی اثرات نے متاثر کر رکھا ہے ان ہی کے مطابق آیات الٰہی میں ربط، مناسبت تلاش کرتے کرتے اپنے محور اور مقصد سے دور اور ان کی طبعی و فطری رہنمائی سے دور تر ہوتے چلے جائیں۔ امام الہند مولانا آزاد نے اس بنیادی الجھاؤ کا بروقت ادراک کیا اور فرمایا کہ۔

قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات اور روابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطرت سے بُعد ہوگیا ہے اور "وضعیت" ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں قرآن کو بھی ایک مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔

(ترجمان القرآن طبع دوم جلد1/11/17 تا 19)

یہ درست ہے کہ کارلائل، 1805ء نے جو اسلامی تعلیمات کا مدّاح ہے، ربطِ آیات کے فقدان پر اعتراض کیا ہے لیکن انہوں نے فطرتِ عرب کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ عرب مطلوبہ ربط اور مناسبتوں سے بہت کم آگاہ تھے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1762)ء فرماتے ہیں۔ ترجمہ

تفسیر کے باب میں حکیمانہ طرزِ فہمائش یہ ہے کہ "وحی" جن کی زبان میں "گویا" ہوتی ہے، زبان اور اسلوبِ کلام میں ان ہی کے طور و طریقوں کو اپنایا جائے کہ نزول قرآن تک ان کے پاس نہ کوئی الہامی کتاب تھی نہ انسانی۔ لہٰذا ربط و مناسبت کے طریقے جو بعد والوں نے اختراع کئے وہ اس سے ناآشنا تھے۔۔۔۔۔ اگر میری اس بات کا یقین نہ آئے تو جاہلیت اور اسلام کے شاعروں کے قصائد۔۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اور فاروق اعظمؓ کے خطوط کا مطالعہ کرو۔ جن سے یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اگر ان کے

"بے ربط" لسانی اسلوب کو ملحوظ رکھا جاتا تو جونہی کوئی "غیر مربوط" چیز ان کی سماعت سے ٹکراتی تو ورطۂ حیرت میں ڈوب نہ جاتے----- ویسے بھی حقیقت یہ ہے کہ "ابلاغ" کا مقصد صرف افادہ ہی نہیں، تکرار اور ذہن نشین کرانا بھی ہے اور یہ مقصد زیادہ توانا اور زیادہ مکمل صورت میں صرف "غیر مربوط" کلام ہی سے حاصل ہوسکے گا۔

(فوزالکبیر بحوالہ= تاریخ القرآن علامہ اسلم جیراجپوری طبع 1341ھ علی گڑھ 41'42)

شاہ ولی اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جو ربط و ترتیب لوگ چاہتے ہیں، عرب اس کو جانتے ہی نہیں تھے اور مصلحت اسی امر کی متقاضی ہے کہ جن لوگوں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، وہ جس طرح کلام کرتے ہوں اسی اسلوب پر قرآن بھی ہو، ورنہ ان کی سمجھ میں نہ آتا۔ ادھر کلام کی رفعت اور بلندی کا انحصار ایجاز و اختصار پر ہے جبکہ قرآنِ مجید اس قدر موجز اور مختصر ہے کہ کسی کلام کا اس کے برابر موجز ہونا ممکن ہی نہیں اور موجز کلام میں چونکہ زائد باتیں نہیں ہوتیں، صرف ضروری رموز اور کنائے ہوتے ہیں، لہٰذا اس کا ربط و تناسب آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

ناظرین کرام۔ ربطِ آیات کوئی طے شدہ مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ سلف میں بھی اختلافی رہا ہے۔ ابن العربی 1146 اور امام رازی 1210م نے خود تو ربط و تسلسل سے لطف اٹھانے کی کوشش کی ہے لیکن دیگر اہلِ علم کو شریکِ لطف نہیں گردانا۔ اس طرح سب سے پہلے اس موضوع پر ابوالفضل شرف الدین 1256ء نے لکھ کر آیات کے باہمی ربط کے مکلفات کو داخلِ تفسیر کیا پھر یکے بعد دیگرے شیخ علی المہائمی، 1421م اور جلال الدین سیوطی، 505م نے اسی نہج کو دہرایا۔

یہی درست ہے کہ فہم قرآن کے لئے "تصریفِ آیات" کا اصول قرآن نے خود ہی مقرر کیا ہے کہ اس طرح، ہم موضوع آیاتؑ کو سامنے رکھ کر بات کو زیادہ قرینِ فہم بنایا جائے لیکن تصریفِ آیات اور "ربطِ آیات" کے مابین بُعد المشرقین ہے۔ چنانچہ اس کے لئے بھی نظر زیادہ تر الفاظ کے مزاج اور "غریب القرآن" کی تحلیل پر ہوگی کہ یہی اصول ہمہ مکلفات سے مبرا اور سادگی و سلاست (DOCILITY) کے ہم آہنگ ہے۔

## دوسرا وسوسہ۔ غیرتِ خداوندی

فرمایا جاتا ہے کہ----- حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں انعامات الٰہی کو صیغہ مجہول میں ادا کیا گیا ہے یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف صریح نسبت کرنے کی بجائے یوں کہا گیا ہے کہ "ہم کو سکھائی گئی----- ہم کو دیے گئے وغیرہ اور حضرت سلیمانؑ کا یہ انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اس لئے ان کو متنبہ کرنے کا انتظام فرمایا گیا اور اس کے لئے دو واقعات خصوصی طور پر ظاہر ہوئے۔ ایک چیونٹی کی گفتگو اور دوسرے ہدہد کی اطلاع۔"

(چٹان 22/12/58 صفحہ 9 کالم 3)

## قولِ فیصل

میرے نزدیک اپنے ہی ذہنی پیمانوں سے "غیرتِ خدا" کا متعین کرنا قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ لوگوں کی مخصوص ذہنی افتاد ہی کو حقائق معلوم کرنے کا اگر ذریعہ بنادیا گیا تو دنیا میں جب تک کوئی "ذہنی تقریب" موجود نہ ہو کوئی حقیقت، حقیقت کے بطور تسلیم ہی نہ کی جاسکے گی۔ پھر ایسی حقیقت فلاسفہ اور متکلمین کی فکری کاوشوں

کی مرہونِ منت ہو یا وحی و الہام خداوندی کی ترجمان---- بنابریں میرے نزدیک سرے سے یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے غیرت کھاکر سلیمانؑ کے غرور کو توڑنے اور ان کے ناپسندیدہ انداز کو ردّ کرنے کے لئے پرندوں اور چیونٹیوں جیسی حقیر مخلوق کو زبان عطا کی تاکہ وہ اپنے مقام کا احساس کر سکیں۔ حاملینِ فکر مودودی کو چاہئے کہ ایسی ذہنی افتاد سے الگ ہو کر حقائق کا جائزہ لیں اور منہ سے ایسی کوئی بات نہ کریں جس سے توہینِ پیغمبرؑ کی بُو آتی ہو---- اس تلخ نوائی کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ جناب وصی مظہر ندوی نے اپنے پیر و مرشد سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی حمایت میں جن رشحاتِ قلم کو وقف کیا ہے ان کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے وہ سمجھے ہیں کہ **ھدھد**---- **منطق الطیر**---- اور **دابه الارض** کے حوالے سے "غیرت خدا" اور "درماندگی" "سلیمانؑ" کا اپنے پیمانوں سے تعین کرکے معاملہ کو سہل بناگئے ہیں۔لیکن معاملہ اتنا سہل نہیں ہے جتنا انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انعاماتِ الٰہی کو "مجہول" کے صیغے سے ذکر کرنے کو انہوں نے سلیمانؑ کے غرور سے تعبیر فرما کر اپنی علمی سطح کا مزید پتہ دے دیا ہے کہ وہ کتنے کوتاہ نظر ہیں کہ ان کو اتنا بھی پتہ نہ چل سکا کہ حضرت سلیمانؑ نے پہلے ہی انعاماتِ الٰہی کی نسبت اللہ سبحانہٗ کی طرف کردی تھی۔ اعادے اور تکرار کی ضرورت نہیں تھی کہ کلام کا اعجاز نہ تو اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی غیر ضروری تکرار اس کی خوبیوں میں اضافہ کر سکتی ہے۔ آیہ زیر بحث کا ماسبق موجود ہے ملاحظہ کرکے تشفی کی جاسکتی ہے ارشاد ہے۔ **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ○**

اور ہم نے داؤد و سلیمانؑ کو علم (و سائنس) عطا کیا (جس پر) انہوں نے زبان تشکر بن کر کہا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں علم و دانش، حکمت، سائنس اور نبوت سے سرفراز (کرکے) بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔

(نمل، 15)

اور۔ اگر نسبت نہ بھی کی ہوتی تب بھی صیغہ مجہول سے انعامات کا تذکرہ نہ تو کبرو و نخوت کا غماز ہے اور نہ ہی کبھی اس پر عتاب نازل ہوا اور غرور شکنی کے لئے حقیر مخلوق کو سامنے لایا گیا؟ خود سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ میں بھی مجہول کا انداز اختیار کیا گیا ہے مثلاً"

- **اوتیت جوامع الکلم**(جامع کلمات ادا کرنے کا وصف دیا گیا ہوں)
- **بعثت لاتم مکارم الاخلاق**(اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی تکمیل اور اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں)
- **نصرت بالرعب مسیرۃ شھر**(وہ رعب عطا کیا گیا ہوں کہ دشمن ایک ماہ کی مسافت پر میرا نام سن کر کانپ اٹھے)
- **جعلت لی الارض کلھا طھور**(میرے لئے زمین کا چپہ چپہ عبادت کے لئے پاک بنایا گیا ہے۔

یہ اور اس قسم کی بیسیوں احادیث موجود ہیں جن میں صیغہ "مجہول" کے ذریعہ نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے پس اگر اب اندازِ تشکر ناپسندیدہ اور آدابِ نیاز مندی---- قابلِ عتاب ہوتا تو یہاں بھی اظہار کیا جاتا۔

## تیسرا وسوسہ۔ حقیر پنے کا قاعدہ

ناقد محترم نے "نملہ" کے ملکہ نہ ہونے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ نملہ۔ کی "تنوین" (") اس کے حقیر ہونے

کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کے معنی ایک معمولی چیونٹی کے کئے جاسکتے ہیں۔

(چٹان 22 دسمبر 58 صفحہ 10 کالم نمبر2)

## قولِ فیصل

مصنف اگر عربی زبان کی "لطافتوں" سے بہرہ ور ہوتے اور کسی طرح علمی مذاق کا احساس کرسکتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ نملہ اگر تنوین کے باعث حقیر تھی تو دیکھنا یہ تھا کہ "النمل" پر الف ولام۔ تعریف کا لگا کر واضح کیا گیا ہے کہ اس نے جن کو خطاب کیا تھا وہ حقیر نہیں تھے۔ کیا حقیر بھی کبھی برتر و بالا کو خطاب کرسکتی ہے؟ کیا تنہا اس قرینے سے حقیر پنے کا ازالہ نہ ہوسکتا تھا۔ وحیٔ الٰہی نے "قالت نملہ" کہہ کر "نملہ" کی تنکیر کو خود ہی زائل کردیا ہے---- تو کیا دنیا کا ایسا کوئی بھی قانون اور لسانیات کا ایسا کوئی بھی ضابطہ ہے جس میں شرف و کرامت کو رعایا (اور کمتر) کے لئے اور "دنایت" (MENNESS LONLINESS) اور حقیر پنے کو فرماں (اور برتر) کے لئے خاص کردیا گیا ہو؟ جواب اگر نفی میں ہے تو کیا وحیٔ الٰہی پر یہ تہمت نہیں ہے کہ اس نے لسانیات کے ایک اہم ضابطے کو توڑ ڈالا؟ پھر یہ سوال اپنی جگہ پر باقی ہے کہ "نملہ" اگر "ملکہ" نہیں تھی تو پھر اسے نملہ ہی رہنے دیجئے "چیونٹی" ترجمہ کرنے کے لئے کون سے قرآنی شواہد موجود ہیں؟ الفاظ کے کلیساؤں میں گھنٹیاں بجانے سے "شواہد" کی تخلیق تو نہیں ہوتی---- رہا یہ کہ تنوین (") لازمی حد تک ہی "تحقیر" (CONTEMPT) اور تصغیر (DIMINUTION) کے لئے آتی ہے تو یہ بھی تدبر کے فقدان کی علامت اور علمی شواہد سے انحراف کا بہانہ ہے کیونکہ یہ تنوین بسا اوقات۔ تعظیم (GREATNES) اور "تفخیم" (MAGNIFICENCE) کے لئے بھی آتی ہے تاہم اگر تنوین (") ہی معمولی پنے کا قاعدہ ہے تو اس کا اطلاق نبی پر بھی ہوا ہے۔ (بقرہ' 46)"

رسول پر بھی ہوا ہے (حج' 52) قرآن پر بھی ہوا ہے (یونس' 61___ رعد 31' اسراء' 100) اور محمدؐ پر بھی تنوین ہے **مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ**(احزاب 40) (محمدؐ 2) اور محمدؐ بحیثیت رسول پر بھی تنوین آئی ہے۔ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** (عمران' 144)

تو---- کیا رسول---- نبی---- محمدؐ اور------ محمد رسول بھی------ معمولی اور حقیر تھے العیاذ باللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ذات کا تعین اور تشخص کرنا مقصود نہ ہو یا نام کا خفا مطلوب ہو تو وہاں پر بھی تنوین کا استعمال کیا جاتا ہے ہاں اس صورت میں کہ **متکلم** خود وضاحت کرے یا قرینہ موجود ہو کہ **متکلم** کا منشاء "تحقیر" ہے۔

## چوتھا وسوسہ۔ اندازِ خطاب

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "ایک فرد یا افراد کا ذکر کرنے کے لئے "یا" نسبتی کا استعمال ضروری ہے۔ یا پھر۔ معشر (گروہ) جیسے الفاظ کا استعمال قوم کے ساتھ کیا جائے مثلاً" قریش کے افراد کو مخاطب کرتے ہوئے یا تو یوں کہا جائے گا۔ **ایھا القریشیون**' یا کہا جائے "یا معشرِ قریش"

(چٹان 22 دسمبر58 صفحہ 10 کالم نمبر2

فاضل محترم۔ اس قاعدے کے حوالے سے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نمل اگر کسی قوم کا نام ہے تو یہ الفاظ یوں

ہونے چاہئیں **قالت نملۃ یا ایھا النملون قول فیصل**

فاضل محترم کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ "نملہ" مونث بھی ہے اور مذکر بھی۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (760م) سے جب دریافت کیا گیا کہ "نملہ" کیا ہے۔؟ فرمایا قرآن میں مونث ہے جب وضاحت چاہی گئی تو فرمایا اس کا فعل "قالت" ہے۔

(کشاف طبع قاہرہ جلد3/280)

اور جو لفظ اپنی ساخت میں مونث بھی ہے اور مذکر بھی۔ تو اسے فعال کے ذریعہ ہی متعین ذات میں محدود کیا جاسکے گا۔ یائے نسبتی کے ذریعہ نہیں۔---- نیز جب کسی "مفرد" میں "قوم" کا مفہوم بھی دیا گیا ہو تو وہاں۔ معشر' آل' بنی یا دونوں کی جمع سے بننے والے الفاظ سے مخاطب کرنا ضروری نہیں ہے۔ خاص کر نظم میں تو ایسا بالکل ہی ناممکن ہے جیسے "قریش" کا لفظ ہے۔ اسے "معشر قریش" سے بھی خطاب کرسکتے ہیں اور "ایھا القریش" کے لفظ سے بھی لیکن **"ایھا القریشیون"** کہنا فصاحت اور ادبیات جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ فرید وجدی (1954م) جوکہ اہلِ زبان تھے تفسیر کے بطور لکھتے ہیں۔ **یا معشر النمل ادخلوا بیوتکم**----

یہاں **النمل**۔ کو **النملیون** بناکر لطافتِ زبان کا خون کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تنقید نگار نے گرائمر کا ذائقہ چکھا ہی نہیں یا پھر ندوہ اور اچھرہ کے فارغ التحصیل صاحبانِ تحریر کا مبلغ علم ہی یہی کچھ ہوگا۔ اسی طرح قرآنِ حکیم میں بہت سی اقوام کا ذکر ملتا ہے مثلاً" ثمود (ہود- 68)- عاد (ہود- 59)- اور یا جوج ماجوج (کہف' 25) اور قرآن محکم کے علاوہ دیگر کتابوں میں تنوخ وطسم (کامل مبرد) ہکسوس (طبری 98/1) اور سلح' صجعم اور اصح۔ قوموں کا ذکر ملتا ہے لیکن کسی نے بھی یائے نسبتی کے ذریعہ ان کی تانیث پر زور نہیں دیا کہ اسکے بغیر ہی مطلوبہ وضاحت پائی جاتی تھی اور پھر یہ کہاں سے لازم آیا کہ جمع۔ لاعاد۔ "واو نون" کی شکل ہی میں خطاب کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ مثلا" ہکسوس' طسم' یاجوج' تنوح۔ اورعاد۔ کے آخر میں واو ونون لگا کر خطاب میں اس طرح ڈھال لیا جائے۔ **ایھا الھکسوسون۔ یمعشر ا لیا جوجین۔ ایھا العادیون۔ یا معشرالتنوخیاین** وغیرہ کیونکہ ان اقوام کی جمع بنانا اور اسی غرض کے لئے استعمال کرنا ادبیات عرب اور فصاحت کلام کے تقاضوں کے بالکل منافی ہے۔ یہ اسماء شکل میں اگرچہ مفرد ہیں لیکن اطلاق کے لحاظ سے جمع بھی ہیں۔ جیسے "انسان" کا لفظ ہے کہ یہ "ایک" پر بھی بولا جاتا ہے اور "زیادہ" پر بھی۔ آپ "ایھا الانسان" تو کہہ سکتے ہیں۔ "ایھا الانسانون" نہیں کہہ سکتے اور اسی پر قیاس کیجئے تمام ان اسماء و مفردات کو جو شکلا" تو "مفرد" ہیں مگر اطلاقا"۔ مفرد بھی ہیں اور جمع بھی۔ آپ ہکسوس' تنوخ' یا جوج اور عاد کو۔ **ایھا الھکسوس۔ یمعشرتنوخ' یا معشرعاد۔ ایھا العاد** ہی کہیں گے کہ روحِ فصاحت بھی اسی کی متقاضی ہے اور اصولِ "سماع" بھی اسی کا خواہاں۔ عرب کا لفظ جو کہ ایک اور ایک سے زیادہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اسے "قواعد مصطلہ" کی رو سے "ایھا **العرب**" اور "معشرالعرب" کہنا ہی زیادہ فصیح ہے۔ ایھا العربیون۔ اور "معشر العربین" کہنے سے آپ کی "عجمی" نفسیات اور پس منظر کا پتہ چل جائے گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نمل کی واونون۔ کے ذریعہ **"النملیون"** جمع بنانا عرب کے وسیع تر استعمالات کے بالکل منافی ہے' لہٰذا یہ وسوسہ بھی **"قل اعوذ برب الناس"** کے سامنے تاب نہیں لاسکتا کچھ اور سوچئے۔

○ ○ ○

صرف
طبعی زندگی کے مفاد پر
نگاہ رکھنے والوں کی نفع یابیاں
عارضی ہوتی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل (سعودی عرب)

# وحی کی قسمیں اور اللہ کا تصور

ماہنامہ محدث مئی 1995ء کے شمارے میں انجینئر عبدالقدوس سلفی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان ہے "کیا حدیثِ رسول حجت تو ہے مگر وحی نہیں؟"۔ اپنے مضمون کا آغاز اس طرح کرتے ہیں "مسٹر غلام احمد پرویز مشہور منکر حدیث ہو گذرے ہیں۔ (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔ راقم) موصوف ساری عمر ذخیرہ احادیث پر عدم اطمینان کا اظہار فرماتے رہے۔ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم حجیت پر زور صرف کرتے رہے۔ محدثین کی محیر العقول کاوشوں کو عجمی سازش قرار دے کر دین و شریعت کی ایک اہم اساس حدیث جو دراصل قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے' کی تضحیک و تحقیر کرتے رہے۔ علماء نے ان کا خوب تعاقب کیا۔ موصوف یہ شکوہ بھی فرماتے رہے کہ لوگ مجھے منکر حدیث کیوں سمجھتے ہیں؟ حالانکہ میں ہر اس حدیث کو جو قرآن سے نہ ٹکراتی ہو' قبول کرتا ہوں۔ لیکن وہ بزعم خود قرآن سے نہ ٹکرانے والی حدیث کو بھی ایک قابلِ غور تاریخ سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ان کو منکرِ حدیث اس لئے کہا گیا کہ وہ حدیث کے منزل من اللہ (وحی) ہونے کے منکر تھے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں "مسٹر پرویز کی تحریکِ انکارِ حدیث کو چند دین سے بیزار لوگوں کے سوا پوری اُمت نے رد کر دیا لیکن اب چند منچلوں نے نئے روپ سے اس کو منظم و مرتب کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ لوگ اپنی حکمت عملی کے تحت پرویز کی طرح محدثین کی کاوشوں پر کھلی تنقید نہیں کرتے۔ بلکہ دین سے عام ناواقف لوگوں کو ان کی اصطلاحات کے من گھڑت مطالب سے یا ان کے غلط استعمال سے مغالطہ دیتے ہیں۔ گویا فنِ محدثین کے بجائے حدیث کو نام نہاد فلسفہ یا رائے سے پرکھنے کا طریقہ اپناتے ہیں اور پرویز کی طرح قرآن و حدیث کو باہم ٹکرا کر حدیث کو رد کرتے ہیں۔ چونکہ وحیٔ الٰہی' خواہ قرآن کی صورت کلامِ الٰہی ہو یا حدیث کی صورت اسوۂ رسولؐ' بنیادی طور پر ہم آہنگ ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ متضاد--- لہٰذا جب ان سے یہ اساسی سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اُمت کے مسلمہ عقیدہ کے مطابق وہ حدیث کو وحیٔ الٰہی مانتے ہیں یا نہیں؟ تو کنی کتراتے ہیں"۔

یہ طنز آمیز اور حقارت سے بھرپور تحریر کس حد تک حقائق کا احاطہ کرتی ہے یا کہ قدر دلائل و براہین پر مبنی ہے' قارئین اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جہاں کسی بات کا جواب نہ بن پڑتا ہو وہاں انداز تخاطب یہی ہوتا ہے۔ ہماری باتوں کو اگرچہ مذہب سے بیزار لوگ ہی قبول کرتے ہوں گے لیکن وہ اسے سوچ سمجھ کر اور عقل و بصیرت کی رُو سے تسلیم کرتے ہیں، صمٌ بکمٌ یا تقلید کی رُو میں بہنے والے قرآنِ کریم کو کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔

کیا حدیث وحی ہے یا نہیں؟۔ اس سوال سے

قرآنی فکر کا حامل کوئی شخص کبھی نہیں کتراتا اور اس کا برملا اظہار کرتا ہے کہ وحی صرف اور صرف قرآن کریم میں ہے۔ کیونکہ قرآن سے باہر کسی قسم کی وحی کے اقرار سے اللہ تعالیٰ کا نہایت غلط تصور سامنے آتا ہے۔ اس بارے میں طلوع اسلام میں متعدد بار مضامین شائع ہو چکے ہیں جن میں قرآن کی بہت سی آیات کے حوالوں سے اس حقیقت کو ثابت کیا گیا' لیکن ہمارے مولوی حضرات' لوگوں کو یہی باور کراتے رہتے ہیں کہ یہ لوگ قرآنی آیات کو غلط معنے پہناتے ہیں اور خود اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ہزاروں صفحات کالے کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں "الحکمۃ" سے مراد احادیث ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی حکیم صاحب (طب یونانی کے معالج) اپنے نسخوں کی تائید میں قرآنِ کریم کی آیت کا حوالہ دیں۔

خارج از قرآن وحی کو تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تصور پیدا ہوتا ہے اسے سمجھانے کی خاطر ایک فرضی کہانی پیش کرتا ہوں۔ ایک مولوی صاحب مسجد اور مدرسہ قائم کرنے کے لیے سرکاری زمین کی الاٹمنٹ کی درخواست لے کر محکمہ اراضی میں پہنچے۔ افسر مجاز نے ان کی درخواست پر نوٹ لکھا کہ موصوف کو فلاں جگہ زمین دے دی جائے اور کہا کہ درخواست سیکریٹری صاحب کو دے دیں' جنہوں نے ایک ہفتہ بعد آنے کے لیے کہا۔ مقررہ وقت پر جب مولوی صاحب سیکرٹری صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ جناب افسر مجاز نے انکار کر دیا ہے۔ مولوی صاحب نے حیرانگی سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے' حضرت نے تو خود تحریری طور پر اس کی منظوری دی تھی۔ اس پر سیکرٹری صاحب نے مسکرا کر کہا کہ جناب میرے صاحب ٹیلی فون پر بھی تو آرڈر کرتے ہیں۔ انہوں نے آپ کے جاتے ہی مجھ سے کہہ دیا تھا کہ ان کی درخواست رد کر دی جائے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت طیش میں آکر افسر مجاز کو جھوٹا' مکار اور دھوکے باز کہتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف لپکے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اسے چھوڑیئے۔

کیا ہمارے مذہبی رہنما اللہ تعالیٰ کی' افسر مجاز سے ملتی جلتی تصویر پیش نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کہتا ہے کہ اپنے تمام مال میں وصیت کرو لیکن حدیث کی وحی میں حکم ہوتا ہے کہ صرف تیسرے حصے میں وصیت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں والدین اور اقربین کے لیے وصیت کا حکم ہے لیکن اس سے باہر وارثوں کے حق میں وصیت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں دولت جمع کرنے والوں کے جسم داغنے کی تنذیر ہے لیکن اس سے خارج ڈھائی فیصد دینے کے بعد جتنا چاہو جمع کر لو۔ وحی متلو میں ذرے ذرے کا حساب لینے کا ذکر ہے لیکن وحی غیر متلو میں کتے کو پانی پلانے پر جنت کی بشارت ہے۔ وحی جلی میں طلاق کا کوئی اور طریقہ کار ہے اور وحی خفی میں کچھ اور۔ ایسے متضاد احکامات کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

یہ لوگ لمبی چوڑی بحثیں کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وحی قرآن سے باہر بھی ہے۔ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہو گا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کچھ کہتا ہے اور قرآن سے باہر کچھ اور۔ یہ اس سے اسلام کی کیا خدمت سرانجام دیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی کونسی صفات کو اُجاگر کرتے ہیں؟۔ بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ اس نظریے

سے وہ انسانی خیالات کو خدائی سند عطا کرنا چاہتے ہیں۔ غیر قرآنی نظریات کو رسول اللہ سے منسوب کرنے سے ان کی خواہشات و جذبات کو جواز تو مہیا ہو جاتا ہے' لیکن رسول اللہ پر یہ تہمت لگ جاتی ہے کہ انہوں نے بھی قرآن کریم پر عمل نہ کیا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ جب یہ لوگ وحی کی تقسیم کرتے ہیں تو درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ واحد صرف اس لیے ہے کہ اس کا قانون ایک ہے۔ اگر اس کے قانون میں ثنویت آجائے تو وہ ایک الٰہ نہیں رہتا۔ دو خدا ایک ساتھ اس لیے نہیں چل سکتے کہ دونوں کے احکامات مختلف ہوں گے اور بیک وقت دونوں پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ البتہ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ دونوں میں سے جس کی بات اچھی لگے اسے اپنا لیا جائے۔ ملائیت دو خداؤں کا تو انکار کرتی ہے لیکن انہوں نے ایک اللہ کی ذات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ قرآن کریم کی جس بات پر عمل کرنا مشکل لگے اس کے لیے خود ساختہ شریعت کا سہارا لے کر اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

**فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ** (2/76)۔

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی کمائی بھی ان کے لیے موجبِ ہلاکت۔ (تفہیم القرآن)

جب یہ وحی کی اقسام بیان کرتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ جسے یہ خارج از قرآن وحی کہتے ہیں تو اسے بھی اسی معیار پر اترنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے لیے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ :

**اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** (4/82)۔

یہ لوگ قرآن میں تدبّر کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا۔

یعنی وحی منزّل من اللہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے مندرجات میں کوئی تضاد اور کوئی اختلاف نہ ہو۔ معاف بفرمائیے کہ پرویز صاحب کیا کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ اسے اپنی وحی ہی تسلیم نہیں کرتا جس میں اختلافات ہوں اور احادیث کی مستند ترین کتابوں میں اختلاف کی موجودگی کو تو احادیث کو وحی ماننے والے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآنی معیار کے مطابق قرآن کی علاوہ کوئی اور کتاب اللہ کی وحی نہیں ہوسکتی۔

جو لوگ قرآنِ کریم کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرتے ہوں ان کے لیے یہ نہایت وزنی دلیل ہے' کہ انسانی خیالات و نظریات تغیّر پذیر ہوتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تضاد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص قرآنِ کریم سے باہر کسی بھی بات کو اللہ سے منسوب کرے تو اس میں تضاد ہونا لازمی ہو گا اور اسے قرآنِ کریم کے ہم پلّہ قرار دینے سے قرآنِ کریم کی

صحت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ ہمارے مذہبی رہنما یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ جسے یہ وحی کہہ کر پیش کرتے ہیں اس کا اندازِ بیان قرآنِ کریم سے کس قدر مختلف ہے اور اس پر کتنے اعتراضات اُٹھتے ہیں۔ زیادہ تر مسلمان' یا تو تحقیق فقدان کے باعث یا پھر ملاؤں کے فتووں کے ڈر سے زبان نہیں کھولتے لیکن جو لوگ مسلمان نہیں' غیر قرآنی وحی کے بارے میں ان کے اعتراضات کا کیا جواب ہے؟

جس مضمون کا حوالہ اس مقالے کے شروع میں دیا گیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے میں مدیر ماہنامہ محدث کے نام ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا جس میں ان سے ایک سوال کیا تھا کہ جناب قرآنِ کریم کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ وہ الحمد سے شروع ہو کر والناس پر ختم ہوتا ہے۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ اگر میں خارج از قرآن وحی کا مطالعہ کرنا چاہوں تو وہ کہاں ملے گی۔ کس کتاب میں یہ وحی مکمل طور پر مل سکتی ہے۔ آج تک اس کا جواب نہیں ملا۔ اور اسی انتظار میں انجینئر عبدالقدوس سلفی صاحب کے خیالات کے بارے میں اپنا نکتہ نظر بیان کرنے میں تاخیر ہو گئی۔

آخر میں' میں یہی سوال ہر عالمِ دین' شیخ الحدیث اور اس شخص سے کرتا ہوں جس کا نظریہ یہ ہے کہ وحی قرآنِ کریم سے باہر بھی ہے' کہ مجھے اس کا مکمل نسخہ عنایت فرما دیں تاکہ میں اس کا مطالعہ کر سکوں۔

یاد رکھئے' صاحبِ وحیٔ خداوندی' حضور نبی اکرمؐ نے قرآنِ کریم کے الفاظ میں' خالقِ کائنات کی شہادت کے ساتھ۔ اس حقیقت کو ابہام اور شک و شبہ کی ہر رمق سے پاک انداز میں بیان فرما دیا ہے کہ ان پر قرآنِ کریم ہی وحی کیا جاتا تھا' ملاحظہ فرمایئے۔

**قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ .....**
-(6/19)

# چیئرمین صاحب کی مصروفیات

پرچہ جب تک آپ کے پاس پہنچے گا' چیئرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری صاحب' یورپ کے دورے پر روانہ ہو چکے ہوں گے۔ اپنے اس دورے میں جو 22 اگست 96ء کو شروع ہوا اور جس کے جملہ مصارف وہ خود برداشت کر رہے ہیں' چیئرمین صاحب' ڈنمارک' ناروے اور انگلینڈ میں مقیم بزموں کے اراکین اور قارئین طلوع اسلام سے ملیں گے۔

کینیڈا اور امریکہ کے ویزے بروقت نہ مل سکے جس کی وجہ سے انہیں اپنا دورہ محدود کرنا پڑا۔ سعودی عرب اور کویت کا دورہ وہ کنونشن کے بعد کریں گے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرزا ظہور الحق (راولپنڈی

# اسریٰ (معراج) - حضورؐ کا سفر شبانہ

اسریٰ جسے عرف عام میں معراج کہا جاتا ہے' کا ذکر قرآنِ حکیم میں سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں یوں آیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

(17/1)

"وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ یعنی (بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں' لے گیا۔ تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے' (ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری)۔ شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی کی تفسیر موضع القرآن کے حوالے سے اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر کے ضمن میں محولہ بالا ترجمہ کے حاشیہ پر یوں لکھا ہوا ملتا ہے "حق تعالیٰ اپنے رسولؐ کو معراج کی رات لے گیا مکہ سے بیت المقدس براق پر اور آگے لے گیا آسمانوں پر"

قرآنِ حکیم میں اسی حوالے سے سورۃ والنجم میں ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۝ ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی ۝ وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۝ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ۝ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝

(53/1-18)

ان آیات کا ترجمہ مولانا فتح محمد خان صاحب جالندھری نے یوں کیا ہے۔

"تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔ کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) حکم خداوندی ہے جو (انکی طرف) بھیجا جاتا ہے۔ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا ہے (یعنی جبرائیلؑ) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے' پھر قریب ہوئے اور' اور آگے بڑھے تو دوکمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا جو کچھ وہ دیکھتا ہے تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو' اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔ جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ تو اور طرف

پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"

اسی ترجمہ کے حاشئے میں حضرت شاہ عبدالقادر "محدث دھلوی کے موضع القرآن کے حوالے سے تفسیراً" لکھا ہے۔ "حضرتؐ کو اول نبوّت میں جبرائیل نظر آئے اپنی اصل صورت پر ایک کرسی پر بیٹھے۔ آسمان ان سے بھر رہا تھا کنارے سے کنارے تک۔ یہ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ مدّثّر اُتری۔ دوسری بار جبرائیل کو اپنی صورت پر دیکھا معراج کی رات میں سات آسمان سے اوپر جہاں درخت ہے بیری کا' وہ حد ہے نیچے اور اوپر میں۔ نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر والے نیچے نہیں اترتے۔ اسی کے پاس بہشت کو دیکھا اور اس بیری پر چھا رہے پروانے سنہرے ایسے خوش رنگ جس کے دیکھے سے دل کُنھا جاوے اور نمونے جو دیکھے وہ اللہ ہی کو خبر ہے"

آپ نے ان آیات مقدسہ کا رواجی ترجمہ اور تفسیر ملاحظہ فرمائی۔ اب آپ انہی آیات کا وہ مختصر سا مفہوم جو محترم پرویزؒ صاحب نے حضورؐ کی سیرت طیبہ کی حامل کتاب "معراج انسانیت" (ایڈیشن 1948ء) میں دیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"مقام بلند پر پہنچ کر ڈوبنے والا ستارہ جو ہمیشہ تمہارے لئے دلیلِ راہ بنتا ہے اور اس کی راہنمائی میں کبھی تو اس حقیقت پر شاید ہے کہ تمہارا رفیق (محمدؐ) نہ غلط راہ پر چل رہا ہے۔ نہ بہک گیا ہے۔ وہ خود اپنی خواہش سے نہیں بول رہا۔ بلکہ وہ تو صرف خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہے (جو وہ تم تک پہنچا رہا ہے) جسے اس کو اس زبردست طاقتوں کے مالک (خدا) نے تعلیم کیا ہے۔ جو قوت (اور شوکت) والا ہے۔ چنانچہ اس نے کمال (علم) کو حاصل کر لیا اور (اب) وہ کائنات کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ پھر وہ قریب تر ہوتا چلا گیا' اور (عجز و نیاز سے) جھکتا چلا گیا۔ چنانچہ دو کمانوں کی مسافت پر رہ گیا' بلکہ اس سے بھی قریب تر۔ چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وہ وحی کی جو وحی فرمانی تھی۔ اس مقام پر محمدؐ نے جو کچھ دیکھا' دل نے اس کو سمجھنے میں کوتاہی نہیں کی۔ تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے (حالانکہ تم میں سے کسی نے حقیقت کو اس طرح بے نقاب نہیں دیکھا) اور یقیناً" اس نے اسے ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتھٰی کے پاس جس کے قریب ہی وہ جنت ہے جو اصل ٹھکانہ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا تو (محمدؐ کی) نگہ (حقیقت بین) نہ تو (دوسری طرف) پھری اور نہ ہی حد سے بڑھی۔ یقیناً" اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا"

اگر آپ ان آیات کا مفہوم بالتفصیل ملاحظہ کرنا پسند کریں تو مفہوم القرآن میں متعلقہ آیات دیکھ لیں۔ سورہ بنی اسرائیل آیت اسریٰ میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

**وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ** (17/60)

"اور رویا جو ہم نے تجھے دیکھائی تو اسی لئے دکھائی کہ لوگوں کے لئے ایک آزمائش ہو"

اس سے خیال اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اسریٰ کا واقعہ خواب میں پیش آیا تھا۔ اس ضمن میں بہت سے صحابہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ اس کو خواب کا واقعہ ہی سمجھتے تھے۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت معاویہؓ اور حسن بصریؒ خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔

مسجد اقصیٰ کے الفاظ قرآنِ حکیم میں سورہ بنی اسرائیل میں ہی وارد ہوئے ہیں۔ اس سے مراد بیت المقدس اس لئے لیا جاتا ہے کہ یہ مقام مکہ سے بہت فاصلہ پر واقع ہے' اور قرآن حکیم نے یہ جو کہا ہے کہ ہم نے اس کا گردوپیش با برکت بنایا ہے تو قرآن کے دیگر مقامات میں یہ خصوصیت ارض فلسطین کے متعلق آئی ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضورؐ کی شبِ ہجرت کا بیان ہے۔ اس بات کی تصدیق علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں ان الفاظ میں کی ہے کہ "معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا"

مندرجہ بالا دو مختلف سورتوں کی ان آیات کو باہمدگر ملا کر ایک بہت بڑے واقعہ کی بنیاد بنا دی گئی ہے' جو کتبِ روایات و احادیث میں شرح و بسط سے مذکور ہے۔ اسی واقعہ عظیمہ کو معراج کہتے ہیں اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اس معراج میں کس طرح پچاس نمازوں سے پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اگر حضورؐ حضرت موسیٰؑ کا کہا مان جاتے اور بحضور حق پھر حاضر ہو جاتے تو شاید یہ نمازیں اور بھی کم ہو جاتیں۔ یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ روایت یہودی سازش کا کارنامہ ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کو محمدؐ سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس معراج میں محمدؐ بحضور رب العزت حاضر ہوئے تو آپ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے گئے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔ بھئی واہ یہ اچھی منطق رہی۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

شراب کا پیالہ تو حضورؐ خدانخواستہ اٹھاتے اور گمراہ ہو جاتی بے چاری اُمّت۔ اس مکروہ اور بیہودہ کہانی جوڑنے والے کو خدا کا دیا ہوا یہ اصول یاد نہ رہا **اَلَّا تَزِرُ وَ اٰزِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی** (53/38) یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور یہ بھی کہ **تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** (45/28) تمہیں اپنے کاموں کا ہی بدلہ ملے گا کیونکہ جو جیسا کام کرے گا اسے ویسا ہی بدلہ ملے گا۔ **لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ** (2/286)

مندرجہ بالا روایات مسلم اور بخاری میں موجود ہیں۔

مولانا احمد علیؒ لاہوری (انجمن خدام الدین والے) نے خلاصہ المشکوٰۃ کے حاشیہ پر معراج کے ضمن میں لکھا ہے کہ

"عروج یعنی اُوپر چڑھنے کے ہے۔ معراج چڑھنے کا آلہ یعنی سیڑھی۔ گویا کہ آنحضرتؐ کے لئے ایک سیڑھی ہے کہ اس سے آسمان پر چڑھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ معراج ربیع الاول میں ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ 21 رمضان کو ہوا۔ مشہور ہے کہ 27 رجب کو ہوا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ سنہ پانچ نبوت میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ چھ نبوت میں ہوا۔ بعض کی رائے ہے کہ سنہ 12 نبوت میں ہوا۔ ایک اسریٰ ہے اور ایک معراج ہے۔ اسریٰ تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہے اور اس کا منکر کافر ہے' اور معراج احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ایک دفعہ آپؐ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں تک اور آسمانوں کے اُوپر جہاں تک خدا نے چاہا' جاگتے ہوئے جسدِ عنصری سے تشریف لے

گئے۔ یہی مذہب ہے جمہور فقہا اور متکلمین اور صوفیائے کرام کا اور اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں' اور جسد عنصری سے معراج آپؐ ہی کی خصوصیت ہے' کسی دوسرے پیغمبر کو یہ شرف عطا نہیں ہوا"

علامہ محمود احمد عباسی (مرحوم) نے "وقائع زندگانی ام ہانیؓ" کے صفحہ نمبر 73 پر اسریٰ کے زمانہ کے تعین کے لئے فتح الباری و عینی شرح بخاری سے مندرجہ ذیل نقشہ پیش کیا ہے۔

| نمبرشمار | سال | مہینہ |
|---|---|---|
| 1- | رسولؐ اللہ کو وحی آنے | |
| | یعنی نبوت سے پہلے | (x) |
| 2- | ہجرت سے آٹھ سال پہلے | (x) |
| 3- | ہجرت سے تین سال پہلے | (x) |
| 4- | ہجرت سے ایک سال چھ ماہ پہلے | |
| | (ذیعقد یا ربیع الاول) | |
| 5- | ہجرت سے ایک سال پانچ ماہ پہلے | (رمضان) |
| 6- | ہجرت سے ایک سال تین ماہ پہلے | (x) |
| 7- | ہجرت سے ایک سال دو ماہ پہلے | (رجب) |
| 8- | ہجرت سے ایک سال پہلے | (ربیع الاول) |
| 9- | ہجرت سے گیارہ ماہ پہلے | (ایضا") |
| 10- | ہجرت سے آٹھ ماہ پہلے | (ذی الالحجہ |
| 11- | ہجرت سے چھ ماہ پہلے | (شوال) |
| 12- | نبوت کے تیرھویں سال | |
| | (ربیع الاول' یا رجب یا 17 رمضان | |

اس واقعۂ عظیمہ یعنی اسریٰ کے تعینِ زمانہ میں جب اس قدر اختلافات مستند ترین کتب میں بھی ہوں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر" قرآنِ حکیم میں تو صرف یہ تصریح ہے کہ' ایک رات اللہ تعالیٰ اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کو اس نے برکت دی تاکہ اپنی کچھ نشانیاں اسے دکھائے' دور کی مسجد سے کونسی مسجد مراد ہے اس میں بھی اختلاف ہے۔

حضور کے سفرِ معراج کے ذرائع کی ایک ہلکی سی جھلک جو ہمیں مختلف احادیث و روایات اور تاریخ میں نظر آتی ہے' آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

1- بخاری و مسلم میں حضرت بوذرؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔

2- ان ہی کتب میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جبرئیل آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ کر آسمانِ دنیا پر لے گئے اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر جا کر دستک دی (**عرج به الی السماء الدنیا فضرب بابا" من ابوابها**)

3- کتب احادیث کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے اپنے ایک پر پر بٹھا کر آسمان میں **باب الخفظه** پر لے گئے۔

4- شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی کی کتاب "حیات القلوب" جلد دوم میں ہے کہ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ معراج کی رات مجھے لے جایا گیا۔ جبرئیل نے مجھے اپنے داہنے کندھے پر بٹھا لیا تھا۔ پیغمبر فرمود' در شبے کہ مرا معراج بردند' جبرائیل مرا بردوش داشت خود نشانید۔

5- تفسیر احمد جلد 6 میں یہ عجیب و غریب روایت بھی ملتی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں بیٹھا تھا کہ جبرائیل نے آکر میرے دونوں کندھوں کے بیچ میں ہاتھ مارا۔ پھر ہم دونوں ایک درخت کے پاس گئے

جس میں پرندوں کے گھونسلے رکھے تھے۔ ایک میں جبرئیل اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ گھونسلے بلند ہوئے یہاں تک کہ زمین و آسمان کو گھیر لیا۔

6- بعض احادیث اور روایتوں میں سیڑھی کے ذریعے آسمانوں پر چڑھ جانے کا ذکر ملتا ہے۔ سیڑھی کو عربی میں معراج کہتے ہیں اور اسی نسبت سے نبیؐ اکرمؐ کے اسریٰ (سفر شبانہ) کو معراج کہا جاتا ہے۔ فتح الباری شرح بخاری جلد 7 میں علامہ ابن حجر کے حوالے سے ہے کہ "آنحضرتؐ کا آسمانوں کا سفر براق پر نہ تھا بلکہ معراج کے ذریعے گئے تھے اور معراج سے مراد سیڑھی ہے" دوسری روایت میں ہے کہ سیڑھی ایک نہیں' دو سیڑھیاں لائی گئیں۔ ایک چاندی کی اور دوسری سونے کی' بہشت سے لائی گئی تھی۔ اس سیڑھی میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں جانب بھی فرشتے اور بائیں طرف بھی فرشتے تھے۔ اس بہشتی سیڑھی کی مزید تصریح آپ کو ناسخ التواریخ جلد دوئم میں یوں ملے گی "ایک معراج یعنی ایک سیڑھی (لائی گئی) جس کا سر آسمان سے لگا ہوا تھا۔ فرشتے جس کے ذریعے آسمان پر چڑھا کرتے ہیں۔ بازو سیڑھی کا ایک یاقوت کا دوسرا زمرد کا تھا۔ ڈنڈے اس کے ایک ایک سونے کے اور ایک ایک چاندی کے تھے اور موتیوں اور یاقوت سے مرصع تھے۔ یہی وہ سیڑھی ہے کہ موت کا ایک فرشتہ روحیں قبض کرنے کو اسی سے اترتا ہے اور مرنے والا بھی بحالت جان کنی اسے دیکھنے کو اپنی آنکھ کھول دیتا ہے" اقتباس کی اصل عبارت فارسی میں جسے بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا۔

7- متعدد احادیث اور روایات میں براق کی سواری کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس عجیب الخلقت جانور کی ہیئت کذائی کچھ یوں بتائی گئی ہے۔ سفید رنگ کا چوپایہ' گدھے سے بڑا خچر سے قد میں چھوٹا۔ چہرہ آدم نما' گردن اونٹ جیسی' دم گائے کی سی اور پاؤں اونٹ جیسے' رانوں پر دو پر لگے ہوئے جو مروارید و یاقوت اور ہر قسم کے جواہرات سے مرصع تھے۔ لگامیں اس کی ہفتا ہزار (ستر ہزار) سونے کی ساخت کی۔ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیائے سابق کی سواری میں بھی رہا۔ گویا چار پانچ ہزار برس کی عمر کا' لیکن جب حضورؐ اس پر سواری فرمانے لگے تو شوخی کرنے لگا۔ اس پر جبرئیل نے اسے ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ اے براق ! تجھے یہ حرکت کرتے شرم نہیں آئی۔ قسم بخدا' خدا کے نزدیک محمدؐ سے زیادہ کوئی اور مقبول بندہ تجھ پر اس سے پہلے سوار نہیں ہوا۔ براق کو ایسی شرم آئی کہ پسینے پسینے ہو گیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

آپ نے حضورؐ کے سفرِ شبِ اسریٰ کے ذرائع احادیث و روایات اور تاریخ سے ملاحظہ فرمائے۔ انہی کتب سے یہ دیکھئے کہ حضورؐ کا یہ سفر شروع کہاں سے ہوا۔ بخاری' مسلم و نسائی کی بعض احادیث میں حضورؐ کی روانگی کے درج ذیل مقامات کا ذکر ملتا ہے۔

1- آپؐ اپنے بیت اشرف میں تھے' وہیں سے تشریف لے گئے۔

2- آپؐ کعبہ کے مقام حطیم یا حجر میں تھے وہاں سے روانہ ہوئے۔

3- آپؐ مسجد الحرام سے تشریف لے گئے۔

مندرجہ بالا مقامات کے علاوہ ام ہانیؓ کے گھر سے روانگی اور وہیں واپسی کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ام ہانیؓ کے متعلق گفتگو چند سطور کے بعد کی جائے

گی۔ فی الحال آپ حضورؐ کے سفر کے دیگر مقامات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ شیعہ حضرات کی کتابوں میں مندرجہ ذیل درج ذیل ہیں۔

1- مسجد الحرام سے۔
2- خانہ ام ہانیؓ سے
3- حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے ہاں سے
4- شعب ابی طالب سے
5- مقام **البطح** (شہر مکہ کا حصہ) سے

مقام البطح کے متعلق "حیات القلوب" میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے حضورؐ سے منسوب روایت ہے کہ "میں **البطح** میں سو رہا تھا' میری داہنی جانب علیؑ' بائیں طرف جعفرؓ تھے اور حمزہؓ بھی نزدیک ہی تھے۔ کہ **ملائکہ** کے پروں کی کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ جبرئیل اپنے ساتھیوں کو بتانے لگے۔ دائیں طرف جو ہیں وہ ان کے وصی و وزیر و داماد اور اُمّت پر ان کے خلیفہ ہیں۔ بائیں طرف چچیرے بھائی جعفرؓ ہیں جن کو دو رنگین پر عطا ہونگے' **ملائکہ** کے ساتھ بہشت میں پرواز کریں گے۔ تیسرے ان کے چچا حمزہؓ سید الشہداء ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ پھر فرشتے مجھے آسمانوں پر لے گئے"

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت جعفرؓ تو معراج سے چند برس پہلے ہی حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ جہاں سے ان کی واپسی حضورؐ کے مدینہ تشریف لے جانے کے چھ سال بعد ہوئی تو یہ حضرت جعفرؓ معراج کے موقعہ پر کس طرح موجود ہو سکتے تھے۔ غلط عقیدت انسان کو بصیرت سے محروم کر دیتی ہے تو پھر اسی قسم کی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ اب آپ حضورؐ کے سفر بیت المقدس کا قصہ اور ساتویں آسمان کی سیر کا واقعہ ملا باقر مجلسی کی زبانی سنیں جو انہوں نے حیات القلوب جلد دوئم مطبوعہ تہران میں بیان کیا ہے۔ اصل لطف تو ان اقتباسات کو ان کی اصل زبان یعنی فارسی میں ہی پیش کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن آج کل کے نوجوانوں کی غالب اکثریت فارسی سے نابلد ہے۔ اس لئے اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ ملا صاحب نے حضورؐ سے یہ قول منسوب کیا ہے "اپنے بائیں جانب میں نے نظر کی' اپنے بھائی اور اپنے وصی علی بن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ لباس سفید پہنے ہیں (موصلہ سفید پوشیدہ بود) اور دو فرشتے ان کے ہر طرف کھڑے ہیں۔ انہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ پس علیؑ بھی آئے۔ ابراہیمؑ نے ان کے دونوں ہاتھوں کو لے کر مصافحہ کیا اور کہا مرحبا اے شائستہ فرزند اور پیغمبر شائستہ کے وصی۔ جب صبح ہوئی' میں اور علی دونوں نے **البطح** میں اپنے کو موجود پایا۔ ہمیں کسی قسم کی تکان بھی نہیں ہوئی تھی"

علی دم دم دے اندر کے نعرے یوں ایجاد ہوتے ہیں۔ آیئے اب آپ کو ساتویں آسمان پر حق سبحانہ' وتعالیٰ اور محمدؐ کے مقابلے سے روشناس کرائیں۔ ملا باقر مجلسی اسی حیات القلوب میں محمدؐ سے منسوب قول یوں نقل فرماتے ہیں۔ "جب تم ہمارے پاس آئے ہو تو اپنی اُمّت کے درمیان کسے اپنا جانشین کر آئے ہو؟ عرض کیا کہ اسے جس کو آپ (حق تعالیٰ) مجھ سے بہتر جانتے ہیں اپنے برادر' اپنے چچا زاد' اپنے مدد گار اور اپنے علم کے صندوق اور میرے وعدے وفا کرنے والے کو۔ پس اللہ نے فرمایا کہ میں اپنی عزت و جلال' اپنی بزرگی اور خلق پر اپنی قدرت کی قسم لیتا ہوں کہ قبول نہ کروں کسی کا ایمان اپنے پر' تیری پیغمبری پر' مگر وہ اس کی (علی) کی امامت و ولایت پر ایمان لائے۔ اے محمدؐ! چاہتے ہو

کہ اسے (علی کو) ملکوتِ آسمان میں دیکھو؟ میں نے عرض کیا' اے پروردگار میں کس طرح انہیں یہاں دیکھ سکوں گا حالانکہ انہیں زمین پر چھوڑ آیا ہوں۔ پس آواز آئی' اے محمدؐ! سر اٹھاؤ۔ میں نے دیکھا علی کو **ملائکہ** مقربین کے درمیان ملائے اعلیٰ میں۔ ان کو دیکھنے سے میں شاد و خنداں ہوا۔ عرض کیا پروردگار اب تو میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پس حق تعالیٰ نے فرمایا ----- میں علی کے بارے میں تم سے ایک عہد لیتا ہوں۔ سنو اس عہد کو' عرض کیا پروردگار ! وہ عہد کیا ہے۔ فرمایا علی نشانِ راہِ ہدایت ہے۔ امام ہے نیکوکاروں کا۔ قاتل ہے فاجروں کا' پیشوا ہے میرے مطیع لوگوں کا' اسے پرہیز گاروں کا کلمہ لازم ٹھہرا دیا ہے اور اپنے علم و فہم کو اسے میراث میں دے دیا ہے۔ پس جو اسے دوست رکھے' مجھے دوست رکھتا ہے۔ جو اسے دشمن رکھے مجھے دشمن رکھتا ہے"

زیرِعرش پہنچ کر حضورؐ نے کیا دیکھا۔ یہ کہانی بھی ملا باقر مجلسی سے ہی سنئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میں جب زیر عرش پہنچا' وہاں علی کو دیکھ کر پوچھا اے علی تم مجھ سے پہلے ہی آگئے۔ اس پر جبرئیل نے بتایا کہ یہ فرشتہ ہے۔ جسے خدا نے کرامتِ علی کی وجہ سے علی کی صورت میں بنایا ہے۔ چونکہ فرشتے علی کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں کہ وہ علی کی زیارت کر سکیں۔ رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب میں مقامِ قاب قوسین پر پہنچا' وہاں صورت علی دیکھی۔ خطاب (الٰہی) آیا اس صورت کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا' جی ہاں یہ صورت علی کی ہے۔ پس وحی آئی کہ فاطمہ کی شادی اس سے کر دو اور اسے ہی اپنا خلیفہ بھی مقرر کرو۔ رسولؐ خدا یہی فرماتے تھے کہ تمام انبیاء علی کا حال پوچھتے تھے۔

واضح رہے کہ حضرت علیؑ زمانہ اسریٰ (معرج) میں چودہ پندرہ برس کے بچے تھے۔

ایک منظر اور ملاحظہ فرمایئے۔' مجتہد ملا باقر مجلسی نے اپنی محولہ بالا کتاب میں محمدؐ سے یہ کلمات منسوب کئے ہیں۔ "پھر میں نے نظر ڈالی تو چند لوگوں کو دیکھا کہ انہیں جہنم میں جھونک رہے ہیں۔ یہ لوگ سُنّی ہیں' جبری ہیں' خارجی ہیں اور بنی اُمیّہ ہیں' اور یہ وہ ہیں جو عداوت رکھتے ہیں اماموں سے" عہد رسالت ماب میں سُنّی' جبری اور خارجی وغیرہ کا تو وجود ہی نہیں تھا' یہ فرقے کہاں سے آگئے۔ ہاں البتہ بنی اُمیّہ جن میں حضرت عثمانؓ اور دوسرے اموی صحابہ اس وقت بقید حیات تھے یہ بھی کیسے واصل جہنم ہو گئے۔ فرقہ پرستی کا یہی تو کمال ہے کہ وہ عقلوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ پھر یہ بھی خیال فرمایئے کہ ان روایات نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو آسمانوں پر بٹھا کر اسکی لامکانیت پر بھی ضرب کاری لگانے میں باک محسوس نہیں کیا۔

بر سبیل تذکرہ یہ بھی عرض ہے کہ بقول ملا باقر مجلسی مؤلف حیات القلوب' حضرت جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور رسول مقبولؐ کو ایک سو بیس مرتبہ آسمان پر بلوایا اور ہر مرتبہ حضور کو امیر المومنین (علی) اور تمام پاک اماموں کی ولایت و امارت کے بارے میں فرائض سے زیادہ تاکید اور مبالغہ سے فرمایا گیا۔

آخر میں ام ہانیؓ کا مختصر سا ذکر ملاحظہ فرمایئے۔ کتب احادیث و تاریخ کی رو سے حضورؐ معراج کی مبارک رات کو امہات المومنین میں سے کسی کے گھر کی بجائے ام ہانیؓ کے گھر پر استراحت فرما رہے تھے۔

یہیں سے یہ سفر شروع ہوا اور واپسی بھی انہی اُم ہانی کے گھر پر ہوئی- ام ہانیؓ، حضرت علیؓ کی سگی بڑی بہن تھیں- ان کا نام ہندا اور کنیت بڑے بیٹے ہانی کے نام پر ام ہانی تھی- زمانہ معراج سے تقریباً" بیس اکیس برس قبل مغیرہ بن ابووہب سے شادی ہوئی- یہ ابوجہل کا قریبی رشتہ دار اور اسلام کا شدید مخالف تھا- زمانہ معراج میں اور معراج سے دس برس بعد تک ام ہانیؓ اسی دشمن اسلام کی زوجیت میں رہیں- 8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو یہ بیوی بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر عیسائی علاقہ نجران کو فرار ہو گیا اور ان کی مشرک و کافر شوہر سے دائمی جدائی ہو گئی تو انہیں (ام ہانی کو) دین اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی- یعنی شب معراج سے کوئی دس برس بعد ام ہانیؓ مسلمان ہوئیں- تعجب ہے کہ حضور امہات المومنین کے پرامن و پرسکون اور بابرکت گھروں کو چھوڑ کر ایک کافرہ کے گھر جس کا شوہر نامور دشمن اسلام تھا' اس مبارک سفر پر روانہ ہوئے جسے سفر معراج کہا جاتا ہے- کہنے والے نے سچ کہا تھا کہ یہ امت روایات میں کھو گئی- حقیقت خرافات میں کھو گئی اور مظلوم و مجبور قرآن کے متعلق بھی کہنے والے نے کتنی دلسوزی سے آہ و پکار کی جب کہا کہ

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خداوند گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

نوٹ- مضمون زیر نظر کے تمام اقتباسات و حوالہ جات علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب' وقائع زندگانی ام ہانیؓ سے لئے گئے ہیں- اللہ کریم مرحوم کی اس سعی مشکور کو شرف قبولیت فرمائے اور جزائے خیر دے-


## کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

| شہر و مقام | | دن | وقت |
|---|---|---|---|
| کراچی صدر | فاروق ہوٹل ہال- زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ | جمعۃ المبارک | 10 بجے صبح |
| حیدر آباد | 12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد | جمعۃ المبارک بعد نماز عصر | |

**دعوت عام ہے تشریف لائیں**

قرآنی لٹریچر- جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

**رابطہ:**
ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد حسین قیصرانی (لاہور)

# حفاظت جان و مال ہمارا بنیادی حق

(یہ مقالہ کنونشن 95ء میں پڑھا گیا)

کسی بھی معاشرہ کی ترقی اور ارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ اس میں افراد معاشرہ کو اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت کا کامل اطمینان ہو۔ اس اطمینان کا فطری نتیجہ یہ ہو گا کہ افراد معاشرہ یک سوئی اور لگن سے اپنے دوائر حیات میں آگے بڑھتے اور اس طرح مملکت کی مجموعی پیداوار میں اضافہ کا باعث بنتے چلے جائیں گے اور مملکت کی مجموعی پیداوار میں اضافہ' افراد اور مملکت کی زیادہ سے زیادہ خوشحالی کا سبب بنتا چلا جائے گا۔ کوئی مملکت بھی اسے تسلیم کرنا تو کجا' برداشت ہی نہیں کر سکتی کہ اس کی حدود میں فقدان حفاظت جان و مال ہو۔ اس کی ہر کوشش مرکوز ہو گی اس مقصد کے حصول کے لئے کہ اس کے افراد کو حفاظت جان و مال اس طرح سے حاصل ہو کہ وہ کسی بھی اندرونی یا بیرونی خطرہ کے خوف کے بغیر اپنے اپنے کاروبار حیات میں اپنی تمام تر توجہات اور توانائیوں کے ساتھ مصروف عمل رہے۔

اسلامی مملکت کے اولیں سربراہ حضور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"میں ایسا انتظام کروں گا کہ ایک عورت تن تنہا شام سے چلے گی اور صحراؤں اور بیابانوں سے سفر کرتی ہوئی اس طرح چلی جائے گی کہ اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا۔"

اور آپؐ نے ایسا کر کے دکھایا اور اسلامی مملکت امن و سکون کا ایک مثالی گہوارہ بن گئی۔

مملکتِ پاکستان کے حصول کا بنیادی مقصد' یہاں پر قرآن کریم کے احکام و اقدار کو نافذ کرنا تھا۔ اس کے ثبوت کے طور پر بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس انٹرویو کا اقتباس پیش کرنا برمحل ہو گا جو انہوں نے 1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے طلبا کو دیا تھا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ جس اسلامی مملکت کے حصول کے لئے آپ مصروف جدوجہد ہیں اس کا دنیا کی باقی مملکتوں کے مقابلہ میں کیا امتیاز ہو گا۔ جواب میں آپ نے کہا کہ

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع اللہ کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ' قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً" نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت' دوسرے الفاظ میں' قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے اور حکمرانی کے لئے لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔"

حضرت قائداعظمؒ کے اس جواب میں غیر مبہم الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس مملکت کا امتیازی تصور

ہی یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کے اصول و احکام کو نافذ کیا جائے گا۔

اب دیکھئے کہ قرآن کریم' پہلے تکریم انسانیت کا اصول یہ بتاتا ہے کہ ہر بنی آدم یعنی ہر انسان صرف انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے۔

**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ** (17/70)

اور اس کے بعد انسانی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ذہن نشین کراتا ہے کہ

**مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا** (5/32)

جس کسی نے بھی کسی ایک انسان کی جان لے لی' اس نے گویا پوری انسانیت کی جان لے لی سوائے اس کے کہ اس نے ایسا جرم قتل کے قصاص میں کیا' یا ملک میں فساد برپا کرنے والے مجرمین کو قانون کے مطابق سزا دی ہو۔ یعنی کسی ایک انسان کا قتل ناحق ایسا گھناؤنا جرم ہے جیسے پوری بنی نوعِ انسان کو قتل کر دینا۔

اور اس کے برعکس

**وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا** (5/32)

جس کسی نے ایک شخص کی جان بھی بچا لی تو اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی بخش دی۔

یعنی جس قرآن کے نفاذ کے لئے یہ مملکت حاصل کی گئی تھی وہ انسانی جان کی حفاظت کی یوں ضمانت دیتا ہے کہ قرآنی مملکت میں جو کوئی بھی کوئی ایک جان ناحق ضائع کرنے کا سبب بنے گا اسے پوری انسانیت کا قاتل گردانا جائے گا اور اس کی سزا دی جائے گی۔

وہی قرآن یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ

**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ**---- (4/29)

اے وہ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ صداقتوں پر ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال دھاندلی اور ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ۔

متذکرہ قرآنی احکام اور ارشاد رسول اعظمؐ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں حفاظتِ جان و مال ہر فردِ مملکت کو حاصل ہو گی۔ اور اس کی ضمانت بہم پہنچانا سربراہِ مملکتِ اسلامی کی اوّلین ذمہ داری ہو گی۔

لیکن ہم جو ساری دنیا سے یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ہماری مملکت' ایک اسلامی فلاحی مملکت ہے اور حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو ہر خوف سے محفوظ رکھے گی اور اس کے لئے معاشی خوشحالی بہم پہنچائے گی' اس میں مال کا تو ذکر ہی کیا کہ اس کی لوٹ کھسوٹ تو اس انداز سے عام ہو رہی ہے کہ شاید ہی چشمِ فلک نے اس سے پہلے کبھی ایسا کوئی دور دیکھا ہو' یہاں جان کی حفاظت کی طرف سے اس قسم کا عدم اطمینان ہے کہ صبح کے وقت کام پر جانے کی غرض سے نکلنے والا کوئی شخص بھی یہ یقین نہیں رکھتا کہ وہ بخیر و عافیت شام کو گھر واپس آجائے گا۔

ہر روز ملک کے مختلف حصوں میں کتنے ہی انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اپنے بعد رہ جانے والوں کے لئے معاشی مشکلات اور غیر محفوظ مستقبل چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ ہم اللہ پر ایمان کا زبانی دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اللہ پر ایمان کے مضمرات ولوازم سے آگاہ نہیں۔ ہم صرف اتنا مانتے ہیں کہ ہاں' اللہ ہے اور اپنے تخت پر سات

آسمانوں سے اُوپر بیٹھا ہے۔ اسے ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ اللہ پر ایمان کے معنی ہیں کہ انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک ایسا حاکم اعلیٰ ہے جس کے سامنے' میں اپنے ہر قول' ہر فعل اور ہر عمل کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے ان کا حساب لیا جائے گا۔ (74/38) نہ صرف قول و افعال و اعمال کا بلکہ دل میں اٹھنے والے خیالات اور نگاہوں کی خیانت تک کا حساب (40/19)۔

ہماری سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں' دنیا بھی ہمیں مسلمان جانتی ہے لیکن قرآن کی میزان میں ہم مسلمان نہیں۔ اگر ہم اللہ پر ایمان رکھنے والے ہوتے اور اس بات کی صداقت پر ہمارے دل کی گہرائیوں سے ایمان اٹھتا کہ ہم اپنے ہر قول' فعل اور عمل کے لئے اُس حاکمِ اعلیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں تو کس طرح یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان' دوسرے انسان کو کوئی گزند پہنچانے کا سوچ سکتا۔

حکومتی سطح پر بھی اسی حقیقت کا فقدان ہے۔ سربراہانِ حکومت اور اس کے اہل کار بھی اسی طرح کے مسلمان ہیں جس طرح کے افرادِ مملکت۔ انہیں بھی اپنی (Accoutability) جوابدہی پر ایمان نہیں۔ وہ سب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بھی کر لیا جائے ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں۔

ان حالات میں اصلاحِ احوال کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ خالص قرآن کریم کی تعلیم کو اس طرح عام کیا جائے کہ اس میں بیان کردہ حقیقتوں پر ایمان' دل کی گہرائیوں سے اٹھے۔

اس کے علاوہ حکومت کو کم از کم امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے نیک نیتی سے آئینِ پاکستان کی حدود میں رہتے ہوئے مجرموں کی گرفت کرنا چاہئے اور انہیں قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔ مجرموں کو سزا دینے میں افرادِ مملکت کا امن و سکون محفوظ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی کے ہر بگاڑ کا علاج قرآنی احکام و اقدار پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے کوئی مفر نہیں۔ ہم جتنی جلد اس طرف آجائیں ہمارے لئے بہتر ہے۔

یاد رکھئے مملکت کی حدود میں فضائے امن و سکون اور افراد کی معاشی خوشحالی سے مملکت کی سرحدیں باہر کی طرف پھیلتی ہیں۔ اس کے برعکس فقدان حفاظت جان اور معاشی بدحالی کے نتیجہ میں مملکت کی حدیں اندر کو سکڑتی ہیں۔

**وما علینا الا البلاغ المبین**

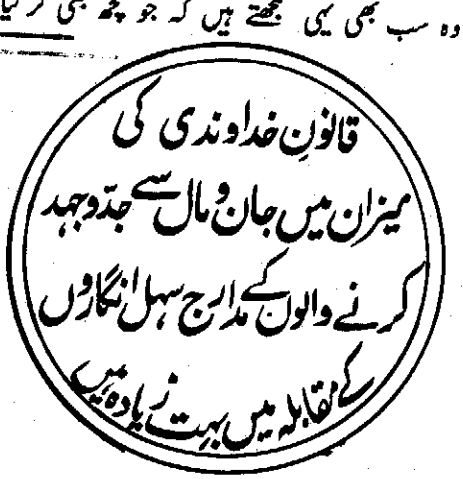


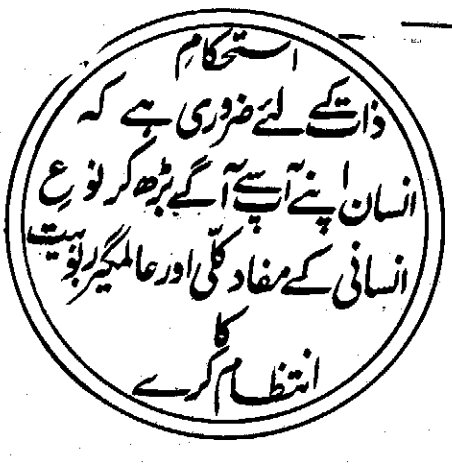

# خریداران طلوع اسلام کے لئے ضروری اعلان

ملک میں پھیلی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے "طلوع اسلام" کی مالی حالت پر جو نقصان رساں اثر پڑ رہا تھا ہم کسی طرح اس کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم مجلّہ طلوع اسلام کے خریداروں پر مزید بوجھ کا باعث نہ بنیں۔ لیکن اب یہ بوجھ ہماری حد برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم بادل نخواستہ مجلّہ طلوع اسلام کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔ جو جنوری 1997ء سے حسب ذیل ہو گی۔

اندرون ملک۔ سالانہ چندہ۔ 170 روپے۔ فی شمارہ۔ 15 روپے مع پیکنگ و ڈاک خرچ

بیرون ملک۔ ایشیا و یورپ 600 روپے۔ آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 800 روپے

دوکانداروں کے لئے کمیشن کی شرح حسب سابق 33 فیصد رہے گی۔

یاد رہے کہ یہ وہ رقوم ہیں جو ادارہ طلوع اسلام میں نقد وصول ہونی چاہئیں۔ لہٰذا رقوم بذریعہ منی آرڈر، بینک ڈرافٹ بھجوائیں یا پرچہ بذریعہ VP طلب فرمائیں۔ VP کا خرچہ بذمہ خریدار ہو گا۔

لاہور سے باہر کے بینک کا چیک ارسال فرمائیں تو اس میں 40 روپے بنک چارجز شامل کرنا نہ بھولئے۔ یاد رہے کہ بنک ڈرافٹ پر آپ کے 14 اور منی آرڈر پر 10 روپے خرچ ہوں گے۔ بذریعہ VP منگوانے پر 20 روپے زاید خرچ ہوں گے۔

بیرون ملک خریداروں کی سہولت کے لئے فارن اکاؤنٹ کھول دیا گیا ہے۔ دیار غیر میں مقیم کرمفرما اپنا چندہ بقدر 22 امریکی ڈالر، جمع بنک چارجز ادارہ طلوع اسلام 25- بی گلبرگ 2- لاہور کے نام غیر ملکی کرنسی میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔

ایسے کرمفرما جن کا چندہ برائے سال 1997ء موصول ہو چکا ہے۔ بقایا رقم بھجوا سکیں تو یہ ان کی طرف سے ماہنامہ طلوع اسلام کو مالی بحران سے نکالنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے مالی اعانت سمجھی جائے گی۔

پیشگی کھاتہ داران اور بزمہائے طلوع اسلام، آگاہ رہیں کہ جنوری 97ء سے ان کے کھاتوں سے جاری پرچوں کا زر شرکت نئی شرح سے وضع کیا جائے گا۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

# چوری

## (بچوں کا صفحہ)

شائستہ اشرف سرگودھا

پیارے بچو! چوری کرنا بہت بری بات ہے۔ یہ بات آپ سب نے سن رکھی ہوگی مگر آپ نے کبھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ چوری کرنے والے کا نقصان کیا ہوتا ہے ؟ پولیس پکڑ کر لے جائے گی' سزا ہوجائے گی۔ لیکن ایک نقصان ایسا بھی ہے جو اس سے بھی بڑا ہے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ چوری کرنے والے کی جرأت اور بہادری ختم ہوجاتی ہے۔ وہ ہر جگہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ آیئے میں آپ کو اس کا مشاہدہ کراتی ہوں۔

چلئے باہر میدان میں چلتے ہیں۔ میدان میں بہت سارے بچے جمع تھے۔ گھڑیال نے جونہی بارہ بجائے' گھڑیال کی آواز سن کر سب بچوں نے کلائی پر باندھی ہوئی اپنی اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ یہ قدرتی بات تھی۔ ہر کوئی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی گھڑی ٹھیک چل رہی ہے یا نہیں۔ ان بچوں میں نعیم بھی کھڑا تھا اس نے گھڑی جیب سے نکالی۔ دوسروں سے چھپا کر وقت دیکھا اور کلائی پر باندھنے کی بجائے گھڑی پھر جیب میں ڈال لی۔ بچے ابھی میدان ہی میں کھیل رہے تھے کہ ایک پولیس والا ادھر آنکلا۔ بچوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ لیکن نعیم سپاہی کو دیکھ کر چپکے چپکے کھسک گیا۔ بچوں کی اُستانی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے نعیم کا پیچھا کیا اور کلاس روم میں اسے جالیا۔

تمہارے پاس وقت کیا ہوا ہے ؟ اُستانی نے نعیم سے پوچھا۔ میڈم ! میرے پاس تو گھڑی ہی نہیں ہے ! نعیم نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ مگر گھڑی تو تم نے میرے سامنے جیب میں ڈالی تھی۔ نعیم کی قوتِ برداشت اب تک جواب دے چکی تھی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں' ہکلاتے ہوئے اس نے اعتراف کیا کہ یہ گھڑی اس کی نہیں اس نے چوری کی ہے اور پچھلے کئی روز سے وہ اسے جگہ جگہ چھپانے کے عذاب میں مبتلا ہے۔ پولیس کا سپاہی

دیکھ کر اس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگتی ہیں۔ امّی ابّو کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ گھڑی اس نے چھپا کر رکھی ہے لیکن پھر بھی ایک عجیب سا خوف ہے جو ہر وقت اس پر طاری رہتا ہے۔ بہادری اور چلبلاپن سب ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں ؟ نعیم نے اُستانی کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کوئی بات نہیں بیٹا۔ غلطی انسان سے ہو ہی جاتی ہے۔ اُستانی نے جواب دیا۔ اچھا اب تم یہ کرو کہ گھڑی اس کے مالک کے پاس لے جاؤ اور اس سے SORRY کرو۔ اُستانی کی بات نعیم کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بادلِ نخواستہ ایسا ہی کیا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ گھڑی اصل مالک کو واپس کرتے ہی اس کے ذہن سے سارا بوجھ اُتر گیا۔ ڈر خوف جاتا رہا اور اس نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

دیکھا آپ نے بچو! نعیم کو کسی نے پکڑا تھا نہ سزا دی تھی لیکن چوری کرنے کے بعد جو خوف اس پر خود بخود طاری ہوگیا تھا وہ اندر ہی اندر اسے تباہ کر رہا تھا۔ گھڑی واپس کرکے توبہ نہ کرتا تو ہمیشہ کے لئے چور بن جاتا۔ ڈاکو کہلاتا اور سب اسے برا آدمی سمجھتے۔ چوری کرنا بہت بری بات ہے۔ چوری کا خیال بھی دل میں نہ آنے دینا۔

ربوبیتِ عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے (قرآن کی رُو سے) ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کی بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا

**محتاج**

نہ رہے، اُسے قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

# پاکستان میں

# علامہ غلام احمد پرویزؒ

## کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

| شہر | مقام | دن | وقت |
|---|---|---|---|
| 1- ایبٹ آباد | 234 کے- ایل کیہال- رابطہ: شیخ صلاح الدین | ہر روز | عند الطلب |
| 4- بورے والا | برمکان محمد اسلم صابر- مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون:55438 | پہلا اور تیسرا جمعہ | 10 بجے صبح |
| 5- پشاور | دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ- کابلی بازار- رابطہ: 840945 | ہر بدھ و جمعہ | 5 بجے شام |
| 6- پشاور | برمکان ابن امین فقیر آباد | جمعۃ المبارک | 4 بجے شام |
| 7- پیر محل | مکان نمبر 139/140- مدینہ پارک | ہر ماہ پہلا جمعہ | 9 بجے صبح |
| 8- پنج کسی | برمطب حکیم احمد دین | جمعۃ المبارک | 3 بجے سہ پہر |
| 9- جہلم | برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی- ٹی روڈ القلم سکول چک جمال روڈ- کالا گجراں | جمعۃ المبارک | 4.30 بجے شام |
| 10- جلالپور جٹاں | یونائیٹڈ مسلم ہسپتال | مہینے کا آخری جمعہ | 9 بجے صبح |
| 11- چنیوٹ | ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر عٹہ بازار | جمعرات | 10 بجے صبح |
| 12- چک 215 ای- بی | برمکان چوہدری عبدالحمید | جمعۃ المبارک | بعد نماز جمعہ |
| 14- حیدر آباد | B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر | جمعۃ المبارک | 8 بجے صبح |
| 17- راولپنڈی | بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوا لمنڈی راولپنڈی فون: 74752 | جمعۃ المبارک | بعد نماز عصر |
| 18- سرگودھا | 60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083 | جمعۃ المبارک | 4.30 بجے شام |
| 20- فیصل آباد | 23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096 | ہر جمعۃ المبارک | 9 بجے صبح 3.30 بجے دوپہر |

| شہر | مقام | دن | وقت |
|---|---|---|---|
| 22- کراچی | کراچی سی بریز' روم نمبر105 شارع فیصل<br>رابطہ شفیق خالد- فون: 0201-713575 | جمعۃ المبارک | 4 بجے شام |
| 23- کراچی | مکان 16 گلشن مارکیٹ' C/36 ایریا کورنگی 5 | جمعۃ المبارک | 11.30 بجے صبح |
| | رابطہ: محمد سرور' فون: 312631 | بروز پیر | بعد نماز مغرب |
| 24- کراچی صدر | فاروق ہوٹل ہال- ایاز حسین انصاری | جمعۃ المبارک | 10 بجے صبح |
| | رابطہ فون: 4571919 | | |
| 25- کوہاٹ | برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری | جمعۃ المبارک | 8 بجے صبح |
| 26- کوئٹہ | صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ- رابطہ فون: 825736 | جمعۃ المبارک | 4 بجے سہ پہر |
| 27- گوجرانوالہ | شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز | جمعۃ المبارک | بعد از نماز جمعہ |
| 28- گجرات | مرزا ہسپتال' کچہری روڈ | جمعرات | 3 بجے |
| 29- لاہور | 25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ) | جمعۃ المبارک | 9-30 بجے صبح |
| 30- لاہور 1 | ڈان ماڈل سکول' احباب کوآپریٹو سوسائٹی<br>جوہر ٹاؤن لاہور | جمعرات | 11 بجے قبل دوپہر |
| 31- لاڑکانہ | مکان نمبر83/1582 عیدگاہ روڈ محلہ جاڑن شاہ | جمعۃ المبارک | بعد نماز ظہر |
| 32- ملتان | شاہ سنز بیرون پاک گیٹ | جمعۃ المبارک | 9 بجے صبح |
| 33- ماسون کانجن | برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب | جمعۃ المبارک | بعد نماز جمعہ |
| | رابطہ فون: 3660 | | |
| 36- رانی پور | اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو | جمعۃ المبارک | بعد نماز عشاء |
| | سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو | | |

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# باغبان حضرات کے نام (کھلا خط) (3)

## "صدیق اکبر چوک"

جناب والا ! السلام علیکم--- یہ حقیقت آپ سے مخفی نہیں کہ کرۂ ارض پر اسلامی نظام کا آفاقی کردار' ایک اللہ' ایک رسولؐ' وحدتِ خلق' وحدتِ قانون اور وحدتِ نظام کا ایک بے مثال مظاہرہ تھا۔ بقول اقبالؒ

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست۔

حضور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین نے جو انسانی ہیئت اجتماعیہ کا قرآنی نظام تشکیل دیا اس کے نورانی نقوش تا ابد قائم و دائم رہیں گے اور نوع انسانی کے لئے مینارۂ نور۔ حضورؐ کے بعد نبوّت اور خلافت کے درمیان پہلی مقدّس کڑی کا ظہور ہوا جب ایک غیر نبی نے منصب رسالت کے بعد منصب خلافت کی جلوہ افروزی سے اسے تمام کیا۔ یہ مقدس کڑی تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں بالاتفاق' خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے محترم نام سے تا ابد باقی رہے گی۔

پاکستان بھی اسلامی نظام کے احیاء کے لئے معرض وجود میں لایا گیا جس کا صدر مقام اسلام آباد ہے۔ اسلام آباد میں داخل ہونے والا چوک (فیض آباد) زیر تعمیر ہے۔ یہ چوک دنیا کا ایک بڑا اور مثالی چوک ہوگا۔ میری تجویز ہے کہ زیر تعمیر چوک کا نام "صدیق اکبر چوک" رکھا جائے۔ باغبان ایسوسی ایشن اپنے ریزولیوشن نمبر12 مورخہ 14 اگست 1995ء کے ذریعے میری اس تجویز کی توثیق کر چکی ہے لہٰذا میں محترم صدر مملکت صاحب' محترمہ وزیراعظم صاحبہ۔ محترم چیئرمین صاحب سینٹ' محترم سپیکر صاحب قومی اسمبلی' محترم چیئرمین صاحب سی ڈی اے' محترم ڈپٹی کمشنر صاحب اسلام آباد اور جناب ایم این اے صاحب اسلام آباد سے التماس کرتا ہوں کہ اس تجویز پر ضرور غور فرمائیں۔ اس سے احترامِ خلافت اور احیائے خلافت میں مدد ملے گی اور ہمارے لئے بڑا اعزاز ہوگا۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و نیاز

قارئین اور باغبان حضرات سے استدعا ہے کہ وہ اپنے طور پر یہ تجویز مؤثر بنانے میں بھرپور کردار ادا کریں۔

والسلام
مورخہ 14 اگست 1996ء
یومِ آزادی مبارک

ملک حنیف وجدانی
صدر باغبان ایسوسی ایشن۔
معرفت پوسٹ کوڈ نمبر47224 موہڑہ سیداں مری

# مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ستمبر 1996ء

| نام کتاب | سٹوڈنٹ | اعلیٰ |
|---|---|---|
| مفہوم القرآن (مکمل سیٹ) | | 450 |
| (کھلے پارے- فی پارہ) | | 15 |
| مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد) | | 450 |
| (تین جلدوں میں- فی جلد) | | 150 |
| لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلد) | | 700 |
| چار جلدوں میں (فی جلد) | | 175 |
| تبویب القرآن (مجلد) | | 500 |
| مطالب الفرقان (مکمل سیٹ) | | 1150 |
| مطالب الفرقان (جلد اول) | 80 | 160 |
| مطالب الفرقان (جلد دوم) | -- | 160 |
| مطالب الفرقان (جلد سوم) | 80 | 160 |
| مطالب الفرقان (جلد چہارم) | 100 | 200 |
| مطالب الفرقان (جلد پنجم) | 80 | 160 |
| مطالب الفرقان (جلد ششم) | -- | 160 |
| مطالب الفرقان (جلد ہفتم) | 75 | 150 |
| من ویزداں | 100 | 200 |
| ابلیس و آدم | 100 | 200 |
| جوئے نور | 80 | 160 |
| برق طور | 80 | 160 |
| شعلہ مستور | 80 | 160 |

| | | |
|---|---|---|
| معراج انسانیت | 150 | 300 |
| مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں | 40 | 80 |
| انسان نے کیا سوچا؟ | 100 | 200 |
| اسلام کیا ہے؟ | 80 | 160 |
| کتاب التقدیر | 100 | 200 |
| جہان فردا | 80 | 160 |
| شاہکار رسالت | 150 | 300 |
| نظام ربوبیت | 100 | 200 |
| تصوف کی حقیقت | 100 | 200 |
| قرآنی قوانین | 40 | 80 |
| سلیم کے نام خطوط (جلد اول) | 60 | 120 |
| سلیم کے نام خطوط (جلد دوم) | 60 | 100 |
| سلیم کے نام خطوط (جلد سوم) | 60 | 140 |
| طاہرہ کے نام خطوط | 50 | 100 |
| ختم نبوت اور تحریک احمدیت | 80 | 160 |
| حسن کردار کا نقش تابندہ | -- | 40 |
| اقبال اور قرآن (جلد اول و دوم) | 150 | 300 |
| مجلس اقبال | 150 | 300 |
| قائد اعظم کے تصور کا پاکستان (زیر طبع) | 100 | 200 |
| بہار نو | 100 | 200 |
| ISLAM: A Challenge to Religion | 100 | 200 |
| EXPOSTION of the Holy Quran | -- | 400 |
| Vol.1 (Up to Sura Al-Kahaf) | | |
| Islamic Way of Living | 30 | 40 |
| اسلامی معاشرت | 25 | 75 |

| | | |
|---|---|---|
| اسباب زوال امت | 20 | 60 |
| جہاد | -- | 40 |
| خدا اور سرمایہ دار | 80 | 160 |
| مقام حدیث | 50 | 120 |
| قرآنی فیصلے (جلد اول) | 130 | 250 |
| (مشتمل بر سابقہ جلد اول و دوم و سوم) | | |
| قرآنی فیصلے (جلد دوم) | | |
| مشتمل برسابقہ جلد چہارم و پنجم | 130 | 250 |
| قتل مرتد' غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت | | 40 |
| مزاج شناس رسول | 80 | 160 |
| ابلہ مسجد | 100 | -- |
| تحریک پاکستان اور پرویزؒ | 150 | 300 |
| نوادرات | 120 | -- |
| THE PAKISTAN IDEA | -- | 100 |
| WOMAN - RECREATED | -- | 80 |

**طلوع اسلام ٹرسٹ** (رجسٹرڈ) 25-بی گلبرگ نمبر 2 لاہور 54660 (پاکستان)
فون : 5764484 فیکس : 876219

طلوع اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات سے حاصل شدہ
جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے

(ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی وقت بھی تبدیل کی جاسکتی ہیں)

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ

کے

انقلاب آفرین مضامین اور تقاریر کا

مجموعہ

# بہار نو

## کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

عنوانات ملاحظہ فرمایئے۔

1- یورپ کا واویلا
2- مثالی مملکت
3- قائداعظمؒ اور اسلامک آئیڈیالوجی
4- قائداعظمؒ کا پاکستان
5- پاکستان کس نے بنایا؟
6- جنگ اور انسان
7- بنیادی حقوق انسانیت
8- ہم میں کریکٹر کیوں نہیں ؟
9- وحدت ملت
10- اولیاء اللہ کون ہیں ؟
11- قیامت موجود
12- حضرت مسیحؑ کی انقلاب آفریں تعلیم
13- حضور رسالتمآبؐ کی کہانی خدائے برتر کی زبانی
14- اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں
15- اسلامی آئین کے بنیادی اصول

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن RS.200 سٹوڈنٹ ایڈیشن RS.100

مینجر طلوع اسلام

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی نئی کتاب

# مجلس اقبالؒ

یعنی

شرح مثنوی اسرار خودی

و

رموز بے خودی

شائع ہو چکی ہے۔

قیمت۔ (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن RS.300 سٹوڈنٹ ایڈیشن RS.150

طلوع اسلام ٹرسٹ کی حیات افروز پیش کش

# جہاد

جہاد کیا ہے۔۔۔۔۔ ؟

جہاد اور جنگ میں کیا فرق ہے۔ ؟

مومن اور مجاہد کس طرح مرادف الفاظ ہیں۔۔۔۔۔ ؟

قرآن کی رو سے قوانین جنگ کیا ہیں۔۔۔۔۔ ؟

اسلامی لڑائیوں کے متعلق معترضین کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات

علامہ پرویزؒ کی ایک مختصر لیکن جامع تصنیف بصیرت افروز، حیات آموز۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) RS.40

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

# Discover the wide world of Islamic literature

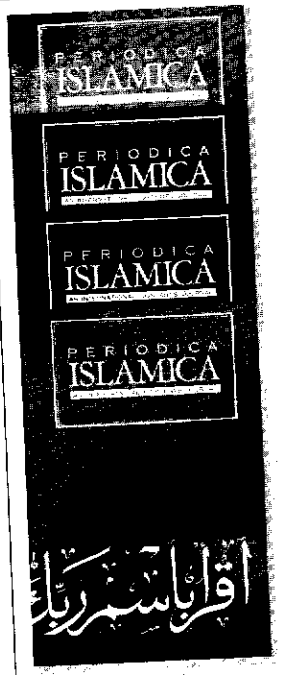




*The journal is produced to a very high standard, and should be a very useful source for all libraries and information users concerned with Islamic issues.*
*Information Development* (London), Volume 7, Number 4, pages 241-242

*This journal is doing a singular service to the cause of the publicity of periodical literature on Islamic culture and civilization in all its diverse aspects. Every scholar of Islamic Studies should feel indebted to you for this service.*
PROFESSOR S.M. RAZAULLAH ANSARI
President, International Union of History and Philosophy of Science (IUHPS)
Commission for Science and Technology in Islamic Civilization, New Delhi, India

*(Periodica Islamica is) an invaluable guide...*
PROFESSOR BILL KATZ
*Library Journal* (New York), Volume 118, Number 21, page 184

*Periodica Islamica is a most valuable addition to our reference collection.*
PROFESSOR WOLFGANG BEHN
Union Catalogue of Islamic Publications, Staatsbibliothek Preussischer Kulturbesitz
Berlin, Germany

*It is recommended for all research libraries and scholars of the Islamic viewpoint.*
DR. RICHARD R. CENTING
*MultiCultural Review* (Westport, Connecticut), Volume 2, Number 1, page 40

*You should be congratulated on Periodica Islamica which should prove to be a valuable journal to persons interested in Islam and the entire Muslim World.*
AMBASSADOR (RTD.) CHRISTOPHER VAN HOLLEN
The Middle East Institute, Washington DC, USA

***Periodica Islamica*** is an international contents journal. In its quarterly issues it reproduces tables of contents from a wide variety of serials, periodicals and other recurring publications worldwide. These primary publications are selected for indexing by ***Periodica Islamica*** on the basis of their significance for religious, cultural, socioeconomic and political affairs of the Muslim world.

***Periodica Islamica*** is the premiere source of reference for all multi-disciplinary discourses on the world of Islam. Browsing through an issue of ***Periodica Islamica*** is like visiting your library 100 times over. Four times a year, in a highly compact format, it delivers indispensable information on a broad spectrum of disciplines explicitly or implicitly related to Islamic issues.

If you want to know the Muslim world better, you need to know ***Periodica Islamica*** better.

**Founding Editor-in-Chief ❑ Dr. Munawar A. Anees**
**Consulting Editor ❑ Zafar Abbas Malik**
***Periodica Islamica*, 31 Jalan Riong**
**Kuala Lumpur-59100, Malaysia**

***America Online* • dranees**
***CompuServe* • dranees**
***Delphi* • drmanees**
***InterNet* • dranees@klcyber.pc.my**
***URL* • http://www.ummah.org.uk/dranees/periodica/**

PERIODICA ISLAMICA

## Subscription Order Form

Annual Subscription Rates

❑ Individual US$40.00 ❑ Institution US$249.00

**Name**__________

**Address**__________ **Country**__________

**City, State, Code**__________

❑ Bank draft ❑ ❑❑❑❑-❑❑❑❑-❑❑❑❑-❑❑❑❑

❑ coupons ❑ Expiration date__________

❑ Money order ❑ Signature__________

BY PHONE To place your order immediately telephone (+60-3) 282 5286

BY FAX To fax your order complete this order form and send to (+60-3) 282-8489

BY MAIL Mail this completed order form to ***Periodica Islamica***

*... MAY PAY AN EQUIVALENT AMOUNT IN RINGGIT (M$) AT THE PREVAILING EXCHANGE RATE*

**Subscribe Now! Subscribe Now! Subscribe Now! Subscribe Now!**

# "IQBAL-THE POET AND THE POLITICIAN"

## (A Rebuttal to Rafiq Zakaria)

*By*

*Shamim Anwar*

(This is in continuation of the article that appeared in Tolu-e-Islam in the month of April)

It is an established and known fact that both the Hindus and the British were hand in glove in seeing to it that while they apparently surrendered to the Muslim League demand to partition India, they tried their level best to kill Pakistan at its very birth. They wanted to see it still-born. This is evident from the unjust manner in which the provinces of the Punjab and Bengal were divided, violating the principle of Hindu and Muslim majority areas; the deliberate attempt to create the Kashmir problem thereby controlling the life-line of the new state; causing an unprecedented refugee problem; refusing to transfer the due shares of Pakistan's financial and military assets; and sending the regiments of the (British) Indian army (major part of which was Muslim) to Indonesia and other hot spots, so that the new-born state would have no soldiers to defend itself. And to top it all, the Indian propaganda machinery, one of the most powerful and mighty was in action to defame the Pakistan Movement with its biggest lie that it was a British agent! This is strange indeed because the British themselves all along have made no bones about their opposition to the partitioning of India, and for that matter, now ample material is available, with all the relevant papers and documents being accesible. As to why they opposed it, they have their own retionale behind it, the explanation of which, for the sake of brevity can be postponed to some other time. What we are concerned about at the moment is that in spite of it, even after almost half a century, Pakistan continues to be the target of this propaganda, apart from other stategic moves. One aspect of this propaganda is the intellectual onslaught through what appears to be intensive research and scholarship. One such research "Iqbal-the poet and the Politicians" by Rafiq Zakaria has already been referred to in my previous article. The author has attacked the Pakistan Movement from various angles, but I had picked up only one aspect, namely, Iqbal-Jinnah team work. In this article I am attempting to rebuttal other aspects that Rafiq Zakaria has touched upon to cast doubts on the bonfides of the Pakistan Movement itself.

Rafiq Zakaria's main thrust is to prove "his (Iqbal's) involvement with India" and as Khushwant Singh has said in his introduction to the book that "He (Rafiq Zakaria) has tried to synthesise Iqbal's commitment to Islam with his love for his motherland". He is more concerned with proving that Iqbal loved India as much as he loved Islam." To justify "Indian nationalism" and its logical sequence an "Indian nation state" is not difficult. The world community has been moving in this direction and is still stuck in its web for last so many centuries. Many best thinkers of the West, where this concept and institution evolved, have already vehemently criticised and rejected it on its non-human basis, but as always the politicians who have their own axes to grind and the people at large who are easily hoodwinked by them, are way behind these thinkers.

Professor Cobban emphasises: "Nationalism is a feeling which is born out of hatred and lives on enmity," This is not suprising, for after all in the ultimate analysis nationalism is no more than an extension of tribalism, a change that is quantitative, rather than qualitative. No wonder Aldous Hurley says that the "National Person" is transformed "into the likeness of their stupid, hysterical and insanely touchy tribal divinity." This problem is aptly psychoanalysed by Eric Fromm in his "Sane Society." He considers the birth of man as "passive and accidental", and therefore his ties to the soil and blood is an existence on animal level. If man is to be "fully born" he has to free himself from these ties. He goes on to say that people who have incestuous fixation to the soil have "regressd from the principle of reason and justice....."

The question that arises is: Is this the kind of nationalism that Rafiq Zakaria is defending and pining for? A nationalism that screams out "my country, right or wrong?" To have childhood sentimental attachment to a place where one is born and brought up is one thing; but to build a whole philosophy of life on it and fix ones identity on it is quite another. It is shocking to note that in order to justify his stand, Rafiq Zakaria has not even spared the Rasool-Allah Muhammad (P.B.U.H). He quotes a reaction of his from history when he was leaving Mecca for Medina. "What a beautiful city you are! I love you and hold you dear. If my people had not driven me away, I would never have left you and settled elsewhere." Even if this saying is authentic, it does not vindicate Rafiq Zakaria's love for geographical nationalism. If the Rasool's (P.B.U.H) sentiments were that important and powerful he would have compromised with the people who were driving him out, but he did not. To him and to his followers (and the followers of any Nabi) the whole universe is beautiful, and the whole globe is his home. He will live anywhere, in any land which makes the success of the Quranic mission possible. Sentiments cannot over-rule the Quranic mission. Sentimental love is immature and childish and it does not behove a Nabi, be he Ibrahim, Moses, Jesus or

Muhammad (P.B.U.H) to lament the loss of it. Each one of them broke their ties with the soil and blood and left their birth place for a higher, grander human goal. Muhammad (P.B.U.H) did not compromise this goal nor did Iqbal, for which Rafiq Zakaria chastises him. It is pathetic that he created a contradiction for himself in the very example of Muhammad (P.B.U.H) that he quoted.

Actually, the problem lies in the fact that Rafiq Zakaria looks at Islam and Iqbal from the traditional, deviational approach--a mere set of rituals and an act of piety thrown in here ad there. As a scholar writing on Iqbal one would expect from him a deeper insight into the issue. It is not merely an issue of secularism and non-secularism. It would therefore be in the fitness of things to pause here and very briefly focus on the vision that inspired Iqbal.

As a highly sensitive and human person, Iqbal's heart was steeped in pain and anguish at the suffering of humanity. He dreamt a Quranic dream of reviving the concept of a centre or a group of people who would live and die for humanity. In fact that alone would be the justification of its existence, for otherwise there would be no point in just adding another unit to the already existing innumerable ones, splitting and cutting humans into bits. This group of people were to work for the benefit of all, irrespective of race, language, colour, creed or sex. They were to act as the guardians or 'chowkidars' of humanity, staying the hand of the tyrant, be it in the form of monarchy, feudalism, capitalism, imperialism, slavery, colour bar, women's subjugation, child labour, poverty, classes and casteism, anything that demeans and destroys human dignity and survival. Under the din and clash of bipolar and now unipolar power, no one thinks of others; each unit thinks, at best of, and for oneself. The globe badly needs a centre that reaches out universally and equidistantly to humanity, a centre that does not get bogged down in immediate gains and profits, in petty quarrels and shortsightedness, a centre that encompasses all in a loving embrace and does justice even to its enemy. Such was Iqbal's vision, the vision of all Anbiya, the foundation of which was laid by Ibrahim and inangurated by Muhammad (P.B.U.H) in his "Fairwell Address", a beautiful and a lofty Human Rights Charter. For this kind of an experiment or a role model, a difinite territory, free from any internal and external pressure was a prerequisite. as it would be for any system.

Talking about systems and territory, many ambiguous and confusing ideas in the book under review can be sorted out. For example, when we talk about an 'Islamic System', its parrallel is a 'capitalist' and 'communist' or any other system. It is not a question of a secular state giving freedom to its citizens to practise its rituals and to preach. Islamic system itself is the greatest harbinger of religious freedom, but itself it

is not a religion in the traditional sense of the word. In a nutshell, all religions are the result of a strategy of the vested interests to defeat the revolutions launched by the Anbiya, by petrifying its powerful symbolism into meaningless ritualism, and by the jugglery of words and terms of the language by misuse of semantics. So an Islamic system needed a territory just as capitalism and communism need it. Communism cannot flourish in a capitalist state, and vice versa. It is in this context that Rafiq Zakaria's query about whether Indian Muslims are Muslims is countered. Muslims live in India just as a communist has to live in a non-communist state. Indeed, they are Muslims, but why they had to stay back in India is a story that must be told in a separate effort. As a strong Indian territorial nationalist he attempts to pick another hole in Iqbal's armour. Referring to his firm belief that territorial nationalism was a danger to the unity of the human race, he reminds Iqbal of inter-religious wars and wars among Muslim kingdoms, more bloody than even territorial wars. According to him Iqbal had no answer for that. This comment is neither true nor fair. His "Pakistan Idea" was "for Islam an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian imperialism forced on it-----." His whole philosophical venture and his political approach was to retrieve the Quran from the debris of the Sassanian, Judeo-Christian and Hindu Civilisations that had fallen on it. I have already mentioned above that religion in the traditional sense is the vested interest strategy (a Pharoah + Haaman + Qaroon combine) to crush human kind. Thus these so-called religious wars are in reality anti-higher values. As for territorial wars, they are the direct result of hatred and enmity. The former is "in spite of it", and the latter is "because of it," and that makes all the difference. These few examples should suffice to unfold Rafiq Zakaria's methodology in treating or evaluating Iqbal's vision. At the same time he never fails to praise him as a poet, and would like India to own him, and be proud of him. But this is not to say that he chides India for disowning him; if he appears to do that it is only to under-mine and negate Pakistan's presence. Iqbal is an Indian poet, you know, and Pakistan has nothing to do with him. To associate his name with Pakistan was only an afterthought! Another way of putting it is that great as a poet, Iqbal was no good politician. This is the significance of the very title of the book -- "Iqbal-the Poet and the Politician". By decrying him as a politician, Rafiq Zakaria thinks that it is easy to negate Pakistan's existence. But it is not so easy. There is a unity in the personality and thinking of Iqbal, and the poet and the politician cannot be separated or delinked. A thorough study of his poetry, his speeches and statements will reveal that he is the brain behind the Pakistan Movement. From 1908 onwards, he remained backstage because according to his analysis the Muslims at the time were drifting in directions he disapproved of. So he slowly and surely, fired their imagination and activities in the direction he wanted through his poetry. The time he was waiting to strike came in 1930, and hence the Allahabad Address. He was indeed a politician par excellence.

And yet he is most chagrined at Iqbal's Allahabad Address of 1930. In this Iqbal has taken the whole universal scenario and explained the rationale behind the new political entity which emerged on the scene as the state of "Pakistan". He attempts to berate its tremendous historical significance by describing it as "a miserable affair." Why? Because "It was originally to be held in an open place or a large auditorium, but fearing a low turn-out, the organisers shifted it to the 'haveli' of a zamindar where hardly 200 people could be accomodated." Thus Rafiq Zakaria undermines and demeans this historic session and chides the historians for making much of it, only because of the number of people attending it. He brushes off the whole exercise. Coming from a scholar, such a comment is a naive and immature one. Thomas Carlyle has well said that "Every new opinion at its starting is precisely in a minority of one." Now, simply because it is a minority of one, is it to be considered wrong, and then when it manages to gather round itself 50 more, is it to be considered right? This is where the mechanism of democracy or the standard of right and wrong goes awry, and this is where the modern man has foundered. The Truth, or the Sun continues to shine bright as ever, even when all the people, put together, declare that the sun does not exist. Rafiq Zakaria ought to have argued critically at length against the "Allahabad Address" to make his point; after all Iqbal was right then when he said that heads have to be weighed, not counted. And when it comes to weighing the "Allahabad Address" it is so remarkably weighty that even if Iqbal had not written a single other sentence, or even any of his poems, he would still be immortal. As Erich Fromm would put it: "The complete victory over these incestuous ties (to the soil) is the full establishment of the spiritual reality of moral and intellectual conscience.." This is what Iqbal was aiming for, for the love of humanity.

It would be worth analysing here that when Iqbal chose North-Western India to be that particular territory wherefrom he could start his mission as a role model, (Quran forbids force and compulsion in imposing its system and values on anyone) it was not because it happened to be his native land, including the "beloved" city of his birth. There was no sentimental slogan of "territorial nationalism" like Rafiq Zakaria's obssession with "Indian nationalism" and "India". At that particular time in history, this territory was the only one which was by and large conducive to Iqbal's vision. For one thing, this area had been used by the British rulers as a recruiting ground for the British Indian Army, hence industrialisation was discouraged. At the time of independence only 10% of Indian industry was located here. This gave a fresh ground to any new regime to start a new era without confronting Big Business and a ruthless capitalist system. Over and above this, the British, who were to withdraw after the world war II according to their announcement, would leave behind a clear ground to

establish a new government of Iqbal's vision. Every other territory or state in the Muslim world had a medieval system and well-entrenched vested interest in their existing governments. The one problem that could present an obstacle were the landlords and the ` waderas', and to them the Qaid had already given a warning, while Iqbal's poetry is a great harbinger of the Quranic concept that the resources of the land all over the globe have to be partaken by humanity, and no human can own it. Such ownership is a challenge to the Creator and results in dire consequences to the human race. That is what happened to Pakistan after Qaid-e-Azam's demise, and it is true Iqbal would hardly recongnise, leave alone own Pakistan of today, as Rafiq Zakaria says. But that is another story. However what has to be emphasised here is: so what if the Pakistani people have so far failed; this territory was only a means to an end; if Iqbal's vision failed here, it can be tried in any other piece of land on this globe. This is the difference between territorial and idealogical nationalism.

This whole exercise of the Pakistan Movement was the care and concern of Iqbal and Jinnah for humanity. Much has been said above on this. So naturally, its leadership could never be anti-Hindu, or for that matter, anti-British or anti-anybody Rafiq Zakaria picks up this point of not being anti-Hindu as a proof that Iqbal loved India, and hence "Indian Nationalism". We must remember that if Iqbal appreciated some Indian thinkers, he also admires many western writers. He is a lover of humanity and shares their joys and anguish. Since Rafiq Zakaria does not catch this point, he gets all confused about the subject he is tackling. He picks holes in Iqbal's vision wherever it clashes with "Indian Nationalism", and then praises him on some point or the other where he can link him up with India. He sounds like he goes, bla, bla, bla....." but Brutus is an honourable man." Thank God, he worked on the level of scholarship only, or else, Antony-like, he would have ended the whole thing in fire and smoke.

**Courtsey:** *"The Nation"*

***This is to notify for the information of learned subscribers that Dr. Syed Abdul Wadood has changed his residence: His address from now onward shall be as under:-***

***Dr. Syed Abdul Wadood***
***House No. 134 Block 1 Sector C-2***
***Township, Lahore 54770***

# DARS-E-QURAN (ABROAD)

**(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)**

## BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1. | **CANADA** | | |
| | 716 The West Mall,Suit 1804<br>Etobicoke, ONT (416) 620-4471 | | First Sun<br>11AM |
| 2. | **DENMARK** | | |
| | Mr. M.Afzal Khilji, | | Last Sat |
| | Gammel Kongevej 47,3.th., 1610 Kobenhavn V | | 1900 Hrs |
| | **KUWAIT** | | |
| | Flat No. 6, Floor No. 3<br>Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque,<br>Hawally, Kuwait | | Friday<br>9:30 AM |
| 4. | **NORWAY** | | 1st Sun |
| | Galgeberg, 4th floor | | 4.PM |
| | Trosvik Snippen.3<br>1610. Fredrikstad | | Sunday<br>12.PM |
| 5. | **UNITED KINGDOM** | | |
| | (i) | Birmingham<br>229 Alum Rock Road | Sunday<br>3PM |
| | (ii) | London<br>76 Park Road Ilford Essex<br>Phone 081-553-1896 | 1st Sun<br>2:30PM |
| | (iii) | Yardley<br>633 Church Road, Yardley, Birmingham<br>B33 8HA (Phone 021-628-3718) | Last Sun<br>2PM |
| | (iv) | Essex<br>50 Arlington Road, Southend-on-Sea<br>ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819 | 2nd Sun<br>3PM |
| | (v) | Yorkshire<br>Cardigan Community Centre<br>145-49 Cardigan Road LEEDS-6<br>Contact M. Afzal Phone 0532-306140 | 1st Sun<br>3PM |
| | Dars-e-Quran<br>Oslo (NORWAY) | | Thursday<br>21:00PM |